ماہنامہ

حکمت بالغہ

اگست2012

مدیر: انجینئر مختار حسین فاروقی

قرآن اکیڈمی

جھنگ پاکستان

فون اور فیکس:-0092-47-77628261

ای میل:hikmabaalgha@yahoo.com

ویب سائٹ:

http://www.hikmatbaalgha.com

http://www.hamditabligh.net

اور ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لیے آسان کر دیا ہے تو کوئی ہے کہ سوچے، سمجھے

جلد 6	شمارہ 8	رمضان 1433ھ	اگست 2012ء

مسلمانانِ پاکستان کو **لیلۃ القدر** کے ساتھ **یومِ آزادی** اور **عید الفطر** مبارک ہو

ماھنامہ

حکمت بالغہ

جھنگ

مدیر مسئول : انجینئر مختار فاروقی

مشاورت

ڈاکٹر محمد سعد صدیقی — مدیر معاون و نگران طباعت: مفتی عطاء الرحمٰن

حافظ مختار احمد گوندل — تزئین و گرافکس: سعد حسن خان

پروفیسر خلیل الرحمٰن — قانونی مشاورت:

محمد فیاض عادل فاروقی — محمد سلیم بٹ ایڈووکیٹ، چودھری خالد اشیر ایڈووکیٹ

ترسیل زر بنام: انجمن خدام القرآن رجسٹرڈ جھنگ

اہل ثروت حضرات کے لیے تاحیات زر تعاون پندرہ ہزار روپے یکمشت

سالانہ زر تعاون: اندورنِ ملک 350 روپے، قیمت فی شمارہ 35 روپے

قرآن اکیڈمی جھنگ

لالہ زار کالونی نمبر 2، ٹوبہ روڈ جھنگ صدر پاکستان پوسٹ کوڈ 35200

047-7628561-7628361

ویب سائٹ: www.hikmatbaalgha.com

پبلشر: انجینئر مختار فاروقی طابع: محمد فیاض حسین مطبع: سلطان باہو پریس فوارہ چوک جھنگ صدر

اَلْکَلِمَۃُ الْحِکْمَۃُ ضَآلَّۃُ الْمُؤْمِنِ فَحَیْثُ وَجَدَھَا فَھُوَ اَحَقُّ بِھَا (ترمذی)

حکمت کی بات بندۂ مومن کی گم شدہ چیز ہے جہاں کہیں بھی وہ اس کو پائے وہی اس کا زیادہ حق دار ہے

مشمولات

1	قرآن مجید کے ساتھ چند لمحات	سورۃ المزمل	3
2	حرفِ آرزو، اللہ تعالیٰ کی پاکستان پر چند خصوصی عنایتیں	انجینئر مختار فاروقی	6
3	ملکی حالات اور علماء کرام کی ذمہ داریاں	مولانا زبیر احمد صدیقی	16
4	لیلۃ القدر اور تخلیق پاکستان	عبدالرشید ارشد	23
5	خودی کی حقیقت (1)	ڈاکٹر رفیع الدین	34
6	شَاکِلَۃ کا مفہوم	حافظ محمد مشتاق ربانی	47
7	خطبہ صدارت شیخ الہند محمود حسن رحمہ اللہ		51
8	احیائے خلافت سیمینار کی روداد		

قارئین کرام! قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لیے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات و احادیث درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

یہ رسالہ ہر ماہ کی پہلی تاریخ کو حوالہ ڈاک کر دیا جاتا ہے۔ نہ ملنے کی صورت میں 6 تاریخ تک دفتر رابطہ فرمائیں (ادارہ)

قرآن مجید

کے ساتھ

چند لمحات

سورۃ المزمل (01-14)

سورۃ المزمل کی بیس آیات اور دو رکوع ہیں۔ پہلا رکوع مکہ کے کچھ ابتدائی زمانہ میں نازل ہوا۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول حضرت محمد ﷺ کو ''اے کپڑے میں لپٹنے والے'' کے خطاب سے مخاطب کیا ہے۔ اس خطاب میں نبی اکرم ﷺ کی فکرمندی اور پریشانی مضمر ہے؛ کیونکہ آپ ﷺ انتہائی خیرخواہی اور ہمدردی کے ساتھ لوگوں کو ایک سخت عذاب سے آگاہ فرما رہے تھے لیکن لوگوں کی بے زاری کا حال یہ تھا کہ بات سننا تو درکنار اُلٹے آپ کے دشمن بن گئے تھے اور آپ کو کاہن، مسحور یا ساحر اور آپ کی ہمدردی کو جنون قرار دیتے تھے۔ ایسے حالات میں آپ ﷺ کا متفکر اور پریشان رہنا ایک فطری امر تھا اور فکر و پریشانی کی حالت میں آدمی اپنی چادر کو بہترین غمگسار سمجھتا ہے۔ اسی حالت میں اللہ تعالیٰ نے آپ کے ثباتِ قلبی کے لیے اس طرح مخاطب کر کے کچھ باتوں کی تائید فرمائی ہے جن سے نبوت کی بھاری ذمہ داریاں اٹھانے کی اہلیت پیدا ہو۔ اور تسلی دیتے ہوئے مخالفین کی باتوں پر صبر کا حکم اور طریقہ بتایا گیا ہے۔ پھر کفار مکہ کو تنبیہ کی ہے کہ جس طرح ہم نے فرعون کی طرف ایک رسول (حضرت موسیٰ علیہ السلام) کو بھیجا تھا اسی طرح تمہاری طرف بھی ایک رسول بھیجا ہے۔ فرعون نے رسول کی بات نہیں مانی تو ہم نے اس کو سخت پکڑ لیا۔ تو اب سوچ لو کہ! اگر تم نے حضرت محمد ﷺ کا انکار کر دیا تو ہماری پکڑ سے

کیسے بچ سکتے ہو؟ اگر دنیا میں نہ پکڑا تو اُس دن اس کی پکڑ سے کیسے بچو گے جس کی شدت اور درازی بچوں کو بوڑھا کر دے گی۔

دوسرے رکوع میں (جو کچھ عرصہ بعد نازل ہوا) نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تحسین فرما کر رات کے جاگنے کے اُس حکم میں جو اس سورت کے شروع میں مذکور ہے، کچھ تبدیلی کر کے اس تبدیلی کی وجہ بیان فرمائی ہے اور حکم دیا ہے کہ (پنجوقتہ) نماز قائم کرو، زکوٰۃ دیتے رہو اور اللہ کے کلمہ کی سربلندی کے لیے فراخ دلی سے مال خرچ کرو۔ اور جو تم اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے وہ اس کے ہاں تمہارے کھاتے میں جمع ہوتا رہے گا جسے تم بہتر حالت میں پاؤ گے۔ اور اپنے رب سے اپنی کوتاہیوں کی معافی بھی مانگتے رہو کہ وہ بہت بخشنے والا اور نہایت مہربان ہے۔

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ○

اے کپڑے میں لپٹنے والے

قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ○

رات کو قیام کیا کرو سوائے تھوڑی (رات)

نِّصْفَهٗٓ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا ○

نصف رات یا اس سے کچھ کم

اَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ○

یا کچھ زیادہ اور قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کرو

اِنَّا سَنُلْقِيْ عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيْلًا ○

ہم عنقریب تم پر ایک بھاری فرمان نازل کریں گے

اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْاً وَّ اَقْوَمُ قِيْلًا ○

کچھ شک نہیں کہ رات کا اٹھنا (نفسانی داعیات کو) پامال کرتا ہے

اوراس وقت ذکر بھی خوب درست ہوتا ہے

اِنَّ لَكَ فِی النَّهَارِ سَبۡحًا طَوِیۡلًا O

دن کے وقت تو آپ کو اور بہت سے شغل ہیں

وَ اذۡكُرِ اسۡمَ رَبِّكَ وَ تَبَتَّلۡ اِلَیۡهِ تَبۡتِیۡلًا O

تو اپنے پروردگار کے نام کا ذکر کرو

اور ہر طرف سے بے تعلق ہو کر اسی کی طرف متوجہ ہو جاؤ

رَبُّ الۡمَشۡرِقِ وَ الۡمَغۡرِبِ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذۡهُ وَكِیۡلًا O

(وہی) مشرق اور مغرب کا مالک (ہے اور)

اس کے سوا کوئی معبود نہیں تو اسی کو اپنا کارساز بناؤ

وَ اصۡبِرۡ عَلٰی مَا یَقُوۡلُوۡنَ وَ اهۡجُرۡهُمۡ هَجۡرًا جَمِیۡلًا O

اور جو جو (دل آزار) باتیں یہ لوگ کہتے ہیں ان کو سہتے رہو

اور اچھے طریق سے ان سے کنارہ کش رہو

وَ ذَرۡنِیۡ وَ الۡمُكَذِّبِیۡنَ اُولِی النَّعۡمَةِ وَ مَهِّلۡهُمۡ قَلِیۡلًا O

اور مجھے ان جھٹلانے والوں سے جو دولت مند ہیں سمجھ لینے دو

اور ان کو تھوڑی سی مہلت دے دو

اِنَّ لَدَیۡنَاۤ اَنۡكَالًا وَّ جَحِیۡمًا وَّ طَعَامًا ذَا غُصَّةٍ وَّ عَذَابًا اَلِیۡمًا O

کچھ شک نہیں کہ ہمارے پاس بیڑیاں ہیں اور بھڑکتی آگ ہے

اور گلو گیر کھانا ہے اور دردد ینے والا عذاب ہے

یَوۡمَ تَرۡجُفُ الۡاَرۡضُ وَ الۡجِبَالُ وَ كَانَتِ الۡجِبَالُ كَثِیۡبًا مَّهِیۡلًا O

جس دن زمین اور پہاڑ کانپنے لگیں اور پہاڑ (ایسے بھربھرے گویا)

ریت کے ٹیلے ہو جائیں گے

صدق اللّٰہ العظیم

اللہ ﷻ

کی پاکستان پر چند

خصوصی عنایتیں

انجینئر مختار فاروقی

اس بات میں کوئی شک نہیں اور روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ یہ ملک پاکستان برطانوی ہند کے مسلمانوں کے اس عزم کے اظہار پر ــــــــ کہ وہ اس خطۂ ارضی میں عصر حاضر میں اسلام کے نظامِ خلافت یعنی نظام عدلِ اجتماعی (JUST POLITICO-SOCIO- ECONOMIC SYSTEM) کا ایک نمونہ پیش کرنا چاہتے ہیں ــــــــ اللہ تعالیٰ کا خصوصی عطیہ تھا۔ ملک پاکستان پہلے دو حصوّں پر مشتمل تھا ایک مغربی پاکستان (موجودہ پاکستان) اور ایک مشرقی پاکستان (جو 1971ء میں ہم سے الگ ہو کر بنگلہ دیش بن گیا)۔

20ویں صدی میں تاریخ انسانی کے ایک خاص نظریاتی تناظر میں اس ملک پر اللہ تعالیٰ کی چند خصوصی عنایتیں بڑی واضح ہیں جن کو ہم یہاں قارئین حکمت بالغہ اور مسلمانانِ پاکستان کے لیے پیش کر رہے ہیں۔ اس سے اللہ تعالیٰ نے چاہا تو نئی نسل میں حوصلہ پیدا ہوگا اور اس ملک کے روشن مستقبل پر اعتماد بڑھے گا جبکہ بڑی عمر کی لوگوں کو یہ عمل اپنی ذمہ داریوں کو یاد دلانے کا سبب بنے گا۔

ہمارے نزدیک پاکستان پر اللہ کی یہ عنایتیں دس ہیں جو ہم اختصار کے ساتھ بیان کر رہے ہیں:

1۔ اس ملک کے لیے جدوجہد کی بنیاد ــــــــ دوقومی نظریہ بنا۔ یعنی آسمانی ہدایت کے ماننے والے اور حضرت محمد ﷺ کے پیروکار ایک اُمت (ENTITY) ہیں جبکہ حضرت محمد ﷺ پر ایمان نہ رکھنے والے ایک دوسری قوم یا ENTITY ہیں۔

2۔ علامہ اقبال کی نظموں شکوہ اور جوابِ شکوہ، تنسیخ خلافت کے خلاف برطانوی ہند کے مسلمانوں کا غیض وغضب، 1930ء کے علامہ اقبال کے خطبہ الٰہ باد کے بعد مسلمانوں کا والہانہ انداز میں اسلام کے نظام کے لیے اُٹھ کھڑے ہونا ویسے تو ایک معجزہ ہی ہے تاہم اس کے پیچھے مرد درویش حضرت علامہ اقبال کا کلام ہی تھا۔ جوابِ شکوہ (ستمبر 1913ء) میں ہی اس الہامی شاعر نے یہ کہہ دیا تھا

؎ وقت فرصت ہے کہاں کام ابھی باقی ہے
نورِ توحید کا اتمام ابھی باقی ہے

اور ؎ قوت عشق سے ہر پست کو بالا کردے
دہر میں اسم محمدؐ سے اجالا کردے

اور ع میرے درویش خلافت ہے جہانگیری تری

اسی الہامی کلام کی 'بانگ درا' سے مسلمان بیدار ہوئے اور آگے بڑھ کر قیام پاکستان کے نعرے کو حقیقت بنا کر رکھ دیا۔

3۔ اس ملک کے نام اور اس ملک کے دارالحکومت کے نام میں بھی ایک معنوّیت ہے ورنہ ادیب، دانشور ہر ملک میں ہوتے ہیں صرف دکھاوے کے لیے نام رکھے جاتے تو شہر ریاض کا نام بدل کر روضۃ الاسلام رکھا جاسکتا تھا مگر تاریخ بتاتی ہے کہ ایسا نہیں ہوسکا۔

اس ملک کا نام اور اس کے دارالحکومت کا نام اس خطہ ــــــــ جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کی چارصدسالہ احیائے اسلام کی کوششوں کا آئینہ دار ہے اور قوموں کی تاریخ میں ایسے انمٹ نقوش ان کے اجتماعی ضمیر اور اجتماعی شعور کا ثمر ہی ہوتے ہیں۔

4۔ اس ملک پاکستان کے قیام کے بارے میں 3 جون 1947ء کے اعلان کے بعد زیادہ تر اقدامات ماہِ رمضان المبارک (19 جولائی 1947ء) کے دوران ہی حتمی شکل میں

سامنے آئے۔

5۔ اس ملک پاکستان کے قیام کا فیصلہ اور اس کی الہامی تاریخ کا چناؤ بھی یقیناً DIVINE معاملہ ہی ہے۔ پہلے یہ تاریخ بھارت کے لیے تھی اور پاکستان کا اعلان 15 راگست کو ہونا تھا مگر بھارت کے جوتشیوں اور علم نجوم کے ماہرین نے 14 راگست کی تاریخ اپنے لیے غیر موزوں سمجھی اور یوں یہ خصوصی رات 13 اور 14 راگست کی درمیانی رات قیام پاکستان کے لیے مقدر بن گئی۔ ع یہ نصیب، اللہ اکبر..... یہ رات لیلۃ القدر تھی اور 27 ویں رمضان المبارک۔

6۔ تحریک پاکستان کے قائدین بالخصوص قائداعظم محمد علی جناح کا خلوص تھا کہ جب 14 راگست 1947ء کے دن قیام پاکستان اور پہلے یومِ آزادی کی تقریبات منعقد ہوئیں تو محترم جناح صاحب نے یہ اعزاز خود لینے کی بجائے (جبکہ ہر لیڈر ایسے مواقع خودنمائی کے لیے نہایت اہم سمجھتا ہے) مغربی پاکستان میں یہ اعزاز حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کو عطا کیا اور مشرقی پاکستان کے لیے پہلے سے ہی جناب مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ کو روانہ کر دیا گیا تھا۔ چنانچہ دونوں مقامات پر پاکستان کا جھنڈا لہرانے کی تقریب دو مقتدر علماء کرام کے ہاتھوں سرانجام پائیں اور ان کی پرخلوص دعائیں اس ملک کی قسمت میں شامل حال ہوگئیں۔ یہ بات بانیانِ پاکستان کی عظمت کردار، بے نفسی، حب جاہ سے دوری اور مذہبی علماء کی قدر شناسی کی سنہری مثال ہے۔

7۔ قیام پاکستان کے بعد جب اس ملک میں اسلامی قوانین کے نفاذ اور اسلامی اقدار کے فروغ کے لیے کام کرنے کا مسئلہ سامنے آیا تو اس عظیم کام کے لیے جناب قائداعظم کی نگاہ انتخاب نے صحیح ترین انسان ..... جناب علامہ اسد صاحب (نومسلم اور مصنف روڈ ٹو مکہ) کا انتخاب فرمایا۔ انہیں پاکستانی شہریت عطا کی گئی اور اسلامی معاشرہ کی تعمیر و تشکیل (RECONSTRUCTION) کی ذمہ داری سونپی گئی۔

8۔ قیامِ پاکستان اور اس کے لیے کیے گئے ابتدائی اقدامات سے صرف جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کو ہی تسکین نہیں ہوئی بلکہ مسلمانانِ عالم کو بھی روحانی سکون ملا اور اجتماعی مسلم شعور کو پاکستان کی شکل میں اسلام کی سربلندی کے لیے امید کی کرن نظر آئی۔ یاد رہے کہ مسلمانوں کے

اجتماعی نظام میں نظام خلافت اور 'خلیفہ' کی بہت اہمیت ہے۔ مسلمانوں میں یہ نظام کسی نہ کسی کمزور شکل میں سہی 1924ء تک جاری رہا۔ جب 'ترک ناداں' مصطفٰے کمال نے ایسی بے کمالی دکھائی کہ نظام خلافت کو منسوخ کر دیا خلیفہ معزول کر دیا گیا اسلامی شریعت کی جگہ رومن لاء (ظالمانہ اور ملحدانہ نظام) نافذ کر دیا گیا۔ خلافت کے خاتمے پر مصر اور سعودی عرب نے عالم اسلام کی رہنمائی کی 'دستار' بزعم خویش اپنے سر باندھنے کی کوششیں کیں تاہم پاکستان کے نوزائیدہ، کمزور اور بے وسائل ملک کے عوام اور خواص کے خلوص کا ثمرہ تھا کہ عالم اسلام نے بے کہے امت کی سربراہی کا 'تاج' پاکستان کے سر پر رکھ دیا۔

چنانچہ تاریخ شاہد ہے اور اس کے ابھی عینی شاہد بھی خال خال موجود ہیں کہ پاکستان کے دوسرے یومِ آزادی کی تقریبات منعقدہ کراچی 14/اگست 1948ء میں 25 اسلامی ممالک کے وفود اور فوجی دستوں نے شرکت کی۔ یہ بات مسلمانانِ پاکستان کی قیادت اور مسلمانوں کے خلوص کو عقیدت کا تمغہ اور عظمت کو سلام تھا۔ یاد رہے کہ اس وقت تک صرف اتنے ہی مسلمان ممالک ہی آزاد تھے۔ اسی پر بس نہیں اگلے سال تیسرے یومِ آزادی کی تقریبات میں 33 ممالک کے وفود اور فوجی دستوں نے شرکت فرمائی اور پاکستان کے عوام کے ساتھ یکجہتی کا اظہار کیا اور عالم اسلام کی یکجائی اور ایک قیادت کی طرف بڑھنے کے عزم کا اظہار کیا۔

9۔ اس ملک کے لیے دستور ساز اسمبلی نے مجوّزہ دستوری خاکہ پر غور کیا تو صاف ظاہر تھا کہ آئین سازی کے اس عمل میں طویل عرصہ صرف ہونے کا احساس ہوا۔ لہٰذا ہمارے اسلاف، اکابرین اور اس وقت کی قیادت نے 'قراردادِ مقاصد' کی شکل میں پاکستان کے مجوّزہ اسلامی آئین کے لیے رہنما اصول طے کر دیے۔ ملک کا نام اور مذہب اسلام طے کر دیا گیا۔ ملک میں قرآن و سنت کے منافی کسی قسم کی قانون سازی (کسی بھی سطح پر) پر خط تنسیخ کھینچ دیا گیا۔ انہیں اصولوں کی روشنی میں پہلے آئین میں ملک کا نام 'اسلامی جمہوریہ پاکستان' قرار پایا۔

دنیا کے اُس وقت موجود ممالک میں پاکستان واحد ملک تھا جو اسلام کے نام سے موسوم ہوا اور اس کے نام میں مذہب اور وہ بھی 'اسلام' کا نام شامل ہو گیا۔

بیسویں صدی کے نصف میں جبکہ دنیا میں یورپ اور امریکہ صہیونیتؔ کے کل پرزوں کے طور پر سیکولرازم، جمہوریت، انسانی حقوق، آزادی (لبرل ازم)، خدابیزاری، اخلاق دشمنی اور ابلیس پرستی کا راگ الاپ رہے تھے اور مغربی تہذیب کا سورج عین نصف النہار پر تھا، اس پس منظر میں ایک مسلمان ملک کا جمہوری طریقے پر معرضِ وجود میں آ جانا، اس کا سرکاری مذہب اسلام قرار پانا، قرارداد مقاصد کی منظوری وغیرہ وغیرہ ایسے اقدامات تھے جو مغرب (صہیونیت) کے اپنے ابلیسی مقاصد کی راہ کا بھاری پتھر، سیکولر مغربی افکار کی کامل نفی اور مغربی تہذیب کے منہ پر طمانچہ تھے جسے مغرب نے بظاہر برداشت کر لیا اس لیے کہ وہ مشرق وسطی میں فلسطین کے علاقے پر مشتمل اسرائیل کی ایک ناجائز ریاست جبراً قائم کرنے کے قریب تھے اور وہ نہیں چاہتے تھے کہ یہ پروگرام درھم برھم ہو جائے۔ چنانچہ UNO کی MIDWIFERY میں مغربی اقوام کا یہ ناجائز بچہ (THE STATE OF ISRAEL) مئی 1948ء کو منصۂ شہود پر آ گیا۔ اس کے بعد سے عالمی ایجنسیاں اور مغربی طاقتیں صہیونیت کے اشارہ پا کر اور ابلیس کے منصوبے کے عین مطابق پاکستان کے خاتمے کے درپے ہیں اور پاکستان آج بھی انہیں قوتوں کے سامنے بے بس ہے اگرچہ انہیں قوتوں سے دست و گریبان بھی ہے۔ پاکستان دنیا کا واحد ملک ہے جو آج مغربی قوتوں (NATO) سے دست و گریباں ہے۔ نتیجہ کیا ہوگا ـــــــ یہ ایک الگ موضوع ہے۔

پاک سرزمین ایک منفرد خطۂ زمین

10۔ پاکستان کا خطہ دور خلافت کے بعد مسلم اکثریت کا وہ خطہ ہے جو جغرافیائی طور پر کعبہ کے دروازے کے عین سامنے ہے اور یہاں کے لوگ جب نماز پڑھتے ہیں تو ان کا رُخ بیت اللہ کے دروازے کی دہلیز پر ہوتا ہے۔

یہ بات تفصیل طلب ہے جو ہم یہاں قارئین کی دلچسپی کے لیے دے رہے ہیں۔ (یہ مضمون پہلے بھی حکمت بالغہ کے شمارے دسمبر 2008ء میں شائع ہو چکا ہے) اب پاکستان کی فضیلتیں شمار کرتے ہوئے بھی درج کر رہے ہیں اور یہ بہت بڑی معنوی فضیلت ہے۔ اس میں

کوئی شک نہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت ہے۔

یروشلم کی وادیٔ قدس کی طرح سرزمینِ حجاز کی وادیٔ فاران اور وادیٔ بطحا کے پہاڑ اور ریگ زار اپنے اندر اہل حق کی لازوال داستانوں کے بے شمار انمٹ نقوش رکھتے ہیں۔ امت مسلمہ کا ہر فرد مکہ کی اس وادی کے بارے میں اپنے دل و دماغ میں کئی ''تاج محل'' سجائے رکھتا ہے اور مکہ حاضری کو ہر مسلمان باعث سعادتِ دارین سمجھتا ہے اور ــــــــ بجا طور پر یہ بات باعث فخر و مباہات ہے۔

آج سے ایک صدی پہلے تک دور دراز علاقوں سے مکہ جانا اور حج و عمرہ کی سعادت حاصل کرنا ایک جان جوکھوں کا کام تھا اور جو انسان اس راہ پر نکلتا تھا اس کا اس بابرکت سفر سے واپس گھر صحیح سلامت پہنچ جانا اللہ تعالیٰ کا خاص احسان ہوتا تھا۔ فاصلے زیادہ، ذرائع آمد و رفت محدود، راستے پُر خار و پُر پیچ اور ملکی و سیاسی حالات میں جنگ و امن کی کیفیت بہت غیر یقینی ہوتی تھی۔

تاہم ــــــــ اب گزشتہ تین چار دہائیوں سے سفر بہت آرام دہ ہو گیا ہے اور ہوائی سفر نے تو وقت کو بہت ہی کم کر دیا ہے اور سہولتوں میں بے پناہ اضافہ کر دیا ہے۔ مزید برآں ــــــــ گھر سے نکل کر حرم پہنچ جانا اور وہاں کی برکتوں کے ساتھ ساتھ اَن گنت نعمتوں سے فائدہ اٹھانا اب ہر آسودہ مسلمان کے لئے ممکن بھی ہو گیا ہے۔

مکہ جا کر ــــــــ پھر مدینۃ النبی ﷺ میں مسجد نبوی کی زیارت اور منبر رسول ﷺ اور آپ کی قبر کے درمیان ''جنت'' کے ٹکڑے میں وقت گزارنا کسی بھی بڑی سے بڑی ممکنہ دنیاوی نعمت سے بڑی نعمت و سعادت ہوتی ہے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَ رَسُوْلِكَ وَ صَلِّ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ وَ الْمُؤْمِنَاتِ وَ الْمُسْلِمِیْنَ وَ الْمُسْلِمَاتِ

بقول شاعر ؎ ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر
نقش گم کردہ می آید جنیدؒ و بایزیدؒ ایں جا

مضمون کی وضاحت کے لئے بیت اللہ شریف کی تصاویر اور نقشہ

① دنیا کے نقشے میں ملتزم کی طرف واقع ملک پاکستان

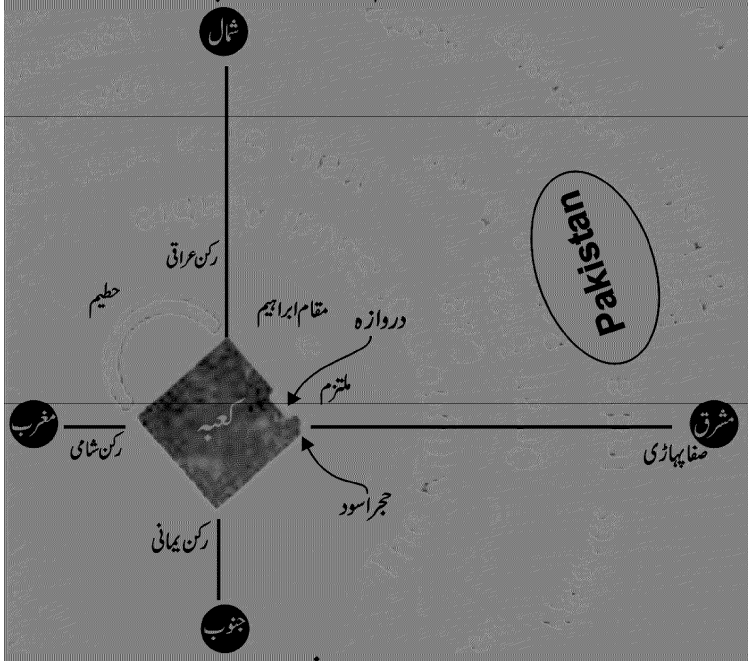

② بیت اللہ کا اندرونی منظر

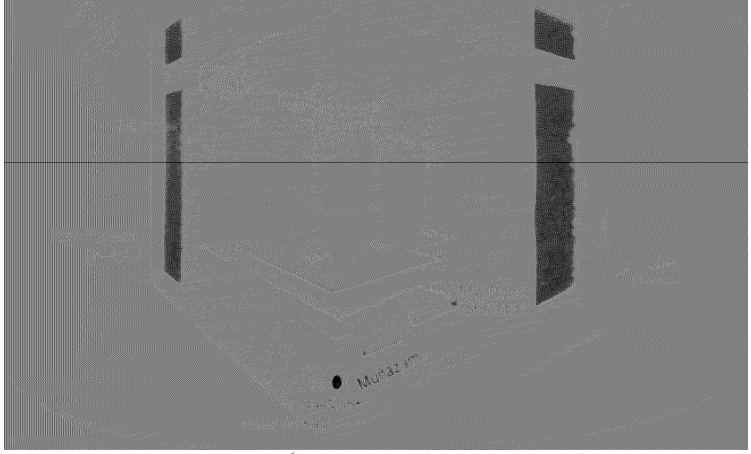

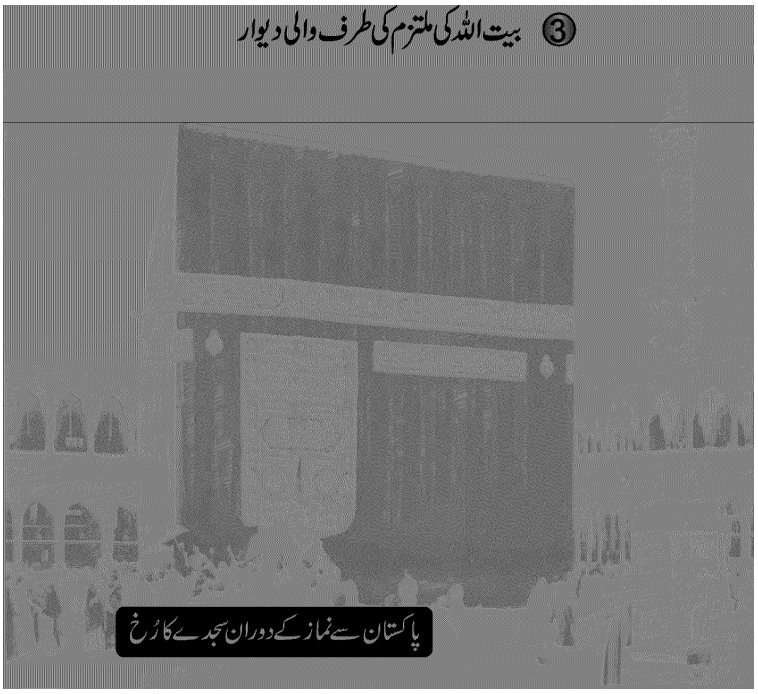

حج اور عمرہ کی سعادت حاصل کرنے والے جانتے ہیں کہ بیت اللہ شریف کی زیارت اور طواف کتنی بڑی سعادت ہے اور اس سے ہر انسان کو کتنا سکون میسر آتا ہے زمین کے اس ٹکڑے پر قدم قدم پر اَن گنت یادگاریں اور قابل غور ''آیاتِ الٰہی'' ہیں جن پر انسان کو توجہ ہو جائے تو لازماً غور وفکر کرنا چاہیے۔

بیت اللہ شریف کی وہ دیوار جو 'حجر اسود' والے کونے سے شروع ہو کر رکن عراقی تک جاتی ہے اور جس طرف بیت اللہ شریف کا دروازہ بھی ہے وہ پوری دیوار ''ملتزم'' کہلاتی ہے اور رسالت مآب حضرت محمد ﷺ نے اس کی بڑی فضیلت بیان فرمائی ہے اور یہاں چمٹ چمٹ کر دُعائیں کرنا ہر مسلمان کی خواہش اور کوشش ہوتی ہے اور یہاں دُعائیں قبول ہوتی ہیں اگرچہ ان دُعائیں کی قبولیت کے لئے بھی کچھ شرائط ہیں جن میں اکل حلال سب سے اوّل اور بڑی شرط ہے تاہم مجموعی طور پر ملتزم قبولیت دعا کا مقام ہے۔ اسی کے قریب مقامِ ابراہیم علیہ السلام ہے اور چاہ زمزم کی جگہ ہے اگرچہ اب چاہ زمزم UNDER GROUND ہے اور کچھ فاصلے پر موجود راستے

کے ذریعے وہاں تک ہر شخص جاسکتا ہے۔

اس ملتزم کے سامنے والا سارا علاقہ بہت اہم اور خوش قسمت ہے۔ نیز بیت اللہ شریف پوری دنیا کے مسلمانوں کا قبلہ ہے اور ہر چہار طرف سے اس کی طرف منہ کر کے نمازیں ادا کی جارہی ہیں۔ نقشہ کے اعتبار سے بیت اللہ شریف کے مشرق، مغرب، شمال اور جنوب میں جو اہم بابرکت شعائر آتے ہیں وہ کچھ اس طرح ہیں۔

شمال مشرق	مقام ابراہیم، چاہ زمزم، کعبہ کا دروازہ، ملتزم		
مشرق	حجر اسود، کوہِ صفا	شمال مغرب	حطیم، میزابِ رحمت
جنوب	رکن یمانی	مغرب	رکن شامی

کعبہ کے حجر اسود والے کونے سے مشرق کی طرف کوہ صفا ہے جہاں سے 'سعی' شروع کی جاتی ہے اور اسی لکیر سے طواف کا آغاز اور اختتام ہوتا ہے۔

بات مکۃ المکرّمہ کی ہو یا مدینۃ المنورہ کی، جو شخص ایک دفعہ وہاں سے ہو آیا ہے وہاں کے حالات کا تذکرہ کرنے سے اس کا دل مچل جاتا ہے اکثر بے تاب ہو کر انسان کے آنسو نکل آتے ہیں اور وہاں گزارے ہوئے یادگار لمحات انسان کو حضرت جامی علیہ الرحمۃ کے الفاظ ؎

مشرف گرچہ شد جامی ز لطفش　　خدایا ایں کرم بار دگر کُن

تصورات کی دنیا میں سہی، دامن کھینچ کر وہاں پہنچا دیتے ہیں۔ ایسے قارئین یقیناً ان سطور کو پڑھتے ہوئے یہی محسوس کر رہے ہوں گے۔ بات ہو رہی تھی ـــــ بیت اللہ شریف کی اس مبارک دیوار کی جس کو 'ملتزم' کہا جاتا ہے اور جو کعبۃ اللہ کے اطراف میں سب سے بابرکت متصور ہوتی ہے۔

دنیا اسلام کے وہ علاقے جو ملتزم کی طرف ہیں اور جب نماز میں قبلہ رو ہوتے ہیں تو وہاں کے مسلمان شعوری یا غیر شعوری طور پر ملتزم کے سامنے ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ''دل زندہ'' اور 'دل بینا' عطا کرے تو اس سعادت بھری نمازوں اور دُعاؤں کے کیا کہنے ـــــ بڑے خوش نصیب ہیں وہ لوگ۔　　ع　یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے

مدینۃ النبی ﷺ اسی ملتزم والی طرف ہے جبکہ جنوبی ایشیا کا مسلم اکثریت کا علاقہ جو 1258ء میں عربوں کے زوال کے بعد اسلام کا گہوارہ بنا ہے جسے آج ہم پاکستان کے نام سے

جانتے ہیں یہ علاقہ بشمول شمالی علاقہ جات اورافغانستان کے، اسی ملتزم والی طرف واقع ہے۔ پاکستان کا وسطی علاقہ تو عین کعبے کے دروازے کے سامنے واقع ہوا ہے یہاں کے لوگ جب نماز میں سجدہ ریز ہوتے ہیں تو عین کعبے کے دروازے کے سامنے سر رکھتے ہیں۔اس پاک سرزمین کی یہ خوش بختی اور مسلمانان پاکستان کی بلند نصیبی ایسی سعادت ہے کہ جس میں یورپ و امریکہ اور افریقہ کے مسلمان شریک و سہیم نہیں ہو سکتے۔ یقیناً ع ''ایں سعادت بزور بازو نیست''

اس سعادت اور بے منت عطا کا تقاضا یہ ہے کہ ہم نماز میں محسوس کریں کہ ہم عین کعبہ کے دروازہ کے سامنے کھڑے نماز پڑھ رہے ہیں اور ہم ملتزم میں ہیں اور ہم اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہیں۔آج اس سرزمین کا کیا حال ہے؟ عالمی سازشوں کے نرغے میں ہے دشمن ہمارے علاقوں پر بمباری کر رہے ہیں۔ہم خود دین محمدی سے دور، سودی معیشت، جاگیرداری اور بے حیائی و اباحیت پرستی کا شکار ہیں۔اس سعادت کی بنا پر عملاً ہم پر واجب ہے کہ ہم کھڑے ہو جائیں اور یہود و ہنود کی سازشوں کے خلاف ڈٹ جائیں اور ہمت کر کے پاکستان کو اسلام کا قلعہ اور گہوارہ بنا دیں اور اسلام دشمن قوتوں سے اس سرزمین کو پاک کرنے کا عہد کریں اور اس کے لئے اپنا سب کچھ لٹانے کا عزم مصمم کر لیں تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی اپنی نگاہِ لطف و کرم ہماری طرف کر دے۔

چمن کے مالی اگر بنا لیں موافق اپنا شعار اب بھی
چمن میں آسکتی ہے پلٹ کر چمن سے روٹھی بہار اب بھی

اسلام کے ابتدائی عروج کے دور میں مدینۃ النبی ﷺ کے بعد عراق، ایران، افغانستان اس ملتزم والی طرف واقع ہونے والے ممالک ہیں۔جبکہ ——— عربوں کے زوال 1258ء کے بعد جو علاقے مستقل طور پر اسلام کے زیر حکومت آئے ان میں پاکستان، مسلم انڈیا کا شمالی حصہ اور روسی ریاستیں وغیرہ شامل ہیں۔ان سب علاقوں میں پاکستان اپنی تاریخ، جغرافیہ، دو قومی نظریہ کی جد و جہد اور قائد اعظم محمد علی جناح، علامہ اقبال، مولانا ابوالکلام، سید ابوالاعلیٰ مودودی، مولانا محمود الحسن دیوبندی، شہدائے بالاکوٹ، شاہ ولی اللہ، شیخ عبدالحق، اور شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی کی محنتوں کی امین سرزمین ہونے کے ناطے اہم بھی ہے اور اسلام کے نام پر بننے والے ملک کے لحاظ سے منفرد بھی کہ یہ ملک عین ملتزم کے سامنے واقع ہے۔ پاکستان کا

یہ خطہ زمین جسے بے پناہ قربانیوں کے بعد حاصل کیا گیا تھا اللہ نے اس کا وقوع بڑا منفرد اور بابرکت بنایا ہے اور دنیا جانتی اور مانتی ہے کہ اسلام کے نفاذ کے امکانات کے حوالے سے پاکستان کا ہی علاقہ دنیا بھر کے ممالک میں سرفہرست ہے۔ کاش مسلمانانِ پاکستان اپنی قسمت کی اس بلندی کے باعث اپنے دینی تقاضے ادا کرنے میں بھی سرفہرست ہو جائیں! تو کیا کہنے۔

اس سعادت اور نعمت غیر مترقبہ پر آپ جتنا غور کریں گے آپ پر اللہ تعالیٰ کے احکامات اور انعامات کی قدر و قیمت کھلتی چلی جائے گی اور آپ کا دل اللہ کے احسانات کے احساس سے نرم ہو جائے گا اور اللہ کا بندہ اور محمد ﷺ کا غلام بن کر زندگی بسر کرنے کا جذبہ پیدا ہوگا۔

آئندہ اپنی نمازوں میں ذرا چشم تصور سے محسوس کیجیے کہ میں عین کعبے کے دروازے کے سامنے سجدہ ریز ہوں، دل پر خاص انوار کا نزول ہوگا ان شاءاللہ۔

قارئین کرام ـــــ ہمارے نزدیک اس ملک خداداد پاکستان کی دس فضیلتیں ہیں جو ربّ ذوالجلال والاکرام کا 'سایہ' اور خصوصی عنایتیں ہیں اور اس ملک کے شاندار اور عظیم مستقبل کی نشاندہی کرتی ہیں۔

آیئے اس دفعہ 14/اگست کا 65واں یومِ آزادی ـــــ لیلۃ القدر اور 27ویں رمضان المبارک کو آ رہا ہے، کیوں نہ ہم مسلمانانِ پاکستان توبہ کر کے اپنے رب کے حضور ملک کو حقیقتاً رب ذوالجلال کا 'سایہ' بنا دیں اور اس میں اسلام کا عدل اجتماعی یعنی نظامِ خلافت کے قیام کے لیے جدوجہد کریں اور اس کو ممکن بنا دیں۔ یاد رہے کہ نظام خلافت مسلمان (اور غیر مسلم) عوام کے لیے پانچ باتوں کا ذمہ دار ہوگا

1۔روٹی 2۔کپڑا 3۔مکان 4۔تعلیم اور 5۔ علاج معالجہ

اس بات کو خود سمجھنا اور دوسرے مسلمانوں اور غیر مسلم شہریوں کو سمجھانا آج ہمارے معاشرہ کی واحد ضروت اور سب سے بڑی سعادت ہو سکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ پاکستان کو صہیونی اور ابلیسی کے جبر سے جلد از جلد نکالے اور اسے اپنے مقصد قیام نظام خلافت کی طرف لوٹ جانے کی توفیق دے تا کہ اس نظام سے حضرت محمد ﷺ کی رحمت للعالمینی کی برکات تمام انسانوں تک پہنچ سکیں۔ آمین

ملکی حالات اور علماء کرام کی ذمہ داریاں

مولانا زبیر احمد صدیقی
مدیر جامعہ فاروقیہ، شجاع آباد، ملتان

ایک وراثت کسی انسان کے فوت ہوجانے پر اس کے خونی اور رحمی رشتہ داروں کو ملتی ہے اور اس میں کسی وارث کی صلاحیتوں، قوتِ کار، حیثیت اور کارکردگی کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔ دوسری قسم کی وراثت 'معنوی' اور 'نظری' وراثت ہے جیسے فرمانِ رسالت مآب ﷺ میں ہے کہ العُلماء ورثة الانبیـــاء ۔اس میں ہر عالم اور فارغ التحصیل طالب علم وراثت محمدی کا حق دار نہیں ٹھہر سکے گا بلکہ صرف وہی عالم اس کا مستحق ٹھہرے گا جو آپ ﷺ کی زندگی کو اپنے لیے مشعل راہ بنا کر دوسروں کے لیے نمونہ اور IDEAL بن کر زندگی گزار رہا ہو۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ قرآن وحدیث کے علوم کی باقاعدہ تحصیل کرنے والے ان علماء کو بھی وارث انبیاء علیہم السلام بنادے جو کسی وجہ سے اس ذمہ داری کے اہل ثابت نہیں ہو رہے ہیں۔ (ادارہ)

حضرات علماء کرام بلاشبہ انبیاء علیہم السلام کے وارث اور جانشین ہیں، وارث ہونے کے ناطے مورث کے جملہ اوصاف کا وارث کو حامل ہونا چاہیے، علماء کرام علم میں وارث انبیاء ہیں تو اسی طرح امت پر راحت، رحمت، شفقت اور خیر خواہی میں بھی وارث انبیاء ہیں، حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی امتوں کی دنیوی اور اخروی بہبود کے لیے زندگی بھر نہ صرف کوشاں رہے بلکہ جملہ صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے رہے، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا امتیازی وصف قرآن کریم میں یوں مذکور ہے:

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَاعَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ

بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (التوبہ۔128)

''(لوگو!) تمہارے پاس ایک ایسا رسول آیا ہے جو تمہیں میں سے ہے جس کو تمہاری ہر تکلیف بہت گراں معلوم ہوتی ہے جسے تمہاری بھلائی کی دُھن لگی ہوئی ہے جو مومنوں کے لیے انتہائی شفیق، نہایت مہربان ہے۔''

امت کی نجات کے لیے حق تعالیٰ نے آپ کے کرب والم کو یوں تعبیر فرمایا ہے:

لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَفْسَكَ عَلٰى آثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا (الکہف۔6)

''اب (اے پیغمبر!) اگر لوگ (قرآن کی) اس بات پر ایمان نہ لائیں تو ایسا لگتا ہے جیسے تم افسوس کر کر کے ان کے پیچھے اپنی جان کو گھلا بیٹھو گے۔''

جناب رسول اللہ ﷺ کا امت کے لیے نمازوں میں تخفیف کرانا، امت کی مغفرت کے لیے عرفات، مزدلفہ اور منیٰ میں دعاؤں کا اہتمام کرنا، ولسوف يعطيك ربك فترضٰى کے نزول پر یہ فرمانا: لاارضٰى و واحد من امتى فى النار (تفسیر کبیر)

آپ کی امت پر شفقت کی واضح مثالیں ہیں، حضرات علماء کرام بھی امت کی خیر خواہی میں اپنے آپ کو حضور علیہ السلام کا وارث ثابت فرمائیں، بدقسمتی سے بعض اہل علم کی فکر محدود اور جدوجہد کا دائرہ نہایت ہی مختصر سا رہ گیا ہے، کسی نے اپنی محنت کا میدان مدرسہ کی چار دیواری کو اور کسی نے صرف اپنی خانقاہ اور کسی نے اپنی مسجد ہی کو اپنی محنت کا میدان سمجھ لیا ہے جبکہ ہماری ذمہ داری پورے عالم کے انسانوں کی ہدایت کی کوششوں اور فلاح کی ہے، ہمیں بھی امت کے کفر، ارتداد، بے دینی پر ویسے ہی کڑھن اور کرب ہونا چاہیے جیسے انبیاء علیہم السلام کو کرب والم ہوا کرتا تھا، امت کی بے راہ روی پر اٹھنے والا درد خود ہی عمل کی راہیں متعین کرتا ہے، کام کے راستے خود بخود کھلتے چلے جاتے ہیں اور یوں محنت اور اس کا ثمرہ سامنے آجاتا ہے۔

دائرہ کار:

ہمیں اپنے دائرہ کار میں بھی وسعت لانا ہوگی، ملک میں تیزی سے حالات بدلے ہیں اور برق رفتاری سے بدل رہے ہیں، عوام الناس کی دینی زبوں حالی انتہاء کو پہنچ چکی ہے، فکری،

اعتقادی اور عملی فساد راسخ ہو چکا ہے، اکثر لوگ دین کے بنیادی ارکان سے بھی لا بلد ہیں، ملک کا اکثریتی طبقہ بنیادی اسلامی عقائد نہیں جانتا، عبادات تک سے ناواقفیت ہے، معاملات کو تو درخور اعتناء ہی نہیں سمجھا جاتا، حلال حرام کی تمیز ختم ہو کر رہ گئی ہے، کرپشن، بدعنوانی معاشرہ کے رگ و ریشہ میں پیوست ہو چکی ہے، شہوانیت اور بہیمیت نے انسانی حدود توڑ کر انسانوں کو جانور بنا دیا ہے، انسانی ہمدردی، محبت اور الفت کا نشان تک باقی نہیں رہا، قتل و غارت گری اور لوٹ مار فیشن بن چکا ہے، خودغرضی اور طمع و لالچ نے والدین اور اولاد تک میں تفریق پیدا کر دی ہے، ان حالات میں اہلِ علم کو عوام تک رسائی حاصل کر کے فکر عوام کرنا ہوگی، اصلاح کا بیڑہ اٹھانا ہوگا، لوگوں کو دین پر لانے کے لیے بہتر حکمت عملی اختیار کرنا ہوگی، تقریر و تحریر کے ذریعے یہ کمزوریاں دور کرنا ہوں گی، ہمارے پاس مدارس میں جو طبقہ موجود ہے ان کی تعداد تقریباً بیس لاکھ ہے، گویا ہماری محنت کا میدان بیس لاکھ افراد ہیں جبکہ پاکستان کی کل آبادی سولہ کروڑ سے سترہ کروڑ کے درمیان ہے، باقی آبادی کی ہدایت کا فریضہ بھی علماء کرام کا ہے، اس لیے علماء کرام اس طبقہ کی ہدایت کے لیے مؤثر سعی فرمائیں۔

مغربی تہذیب کا مقابلہ

امریکہ اور یورپ اسلامی ممالک پر بالخصوص اور دنیا بھر میں بالعموم اپنی تہذیب و ثقافت مختلف طریقوں سے مسلط کرنے کی پالیسی پر عمل پیرا ہیں، معاشی لحاظ سے مستحکم یہ اقوام دیگر اقوام کو اپنے غلام سمجھ کر بزور بازو ان پر فکری، عسکری اور ثقافتی یلغار کئے ہوئے ہیں، اس مقصد کے لیے ان اقوام نے مسلم ممالک کے مقتدر طبقہ کو ہمنوا اور زیر اثر بنانے کے ساتھ ساتھ میڈیا کی طاقت بھی حاصل کی، ملٹی نیشنل کمپنیاں اور این جی اوز کو اپنا دست و بازو بنا کر مسلم معاشرہ پر یلغار کر دی ہے، جس کے نتیجے میں ایک طرف تو فکری ارتداد، قادیانیت، عیسائیت، انکار حدیث اور الحاد فی الدین کے نظریات فروغ پا رہے ہیں، جنسی بے راہ روی نے ملک بھر کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے، حکومتوں کے ناجائز اقدامات نے یورپین و امریکی منصوبہ کو تقویت اور اسلامی ثقافت کو کمزور تر کر دیا ہے، نتیجتاً بے راہ روی کو قانونی تحفظ مل چکا ہے، نوجوان لڑکے لڑکیاں اپنے اپنے خاندان اور والدین کے علی الرغم کورٹ میرج رچا لیتے ہیں، یوں ایک عرصہ تک غیر شرعی تعلقات رکھنے کے بعد

قانون کا سہارا لے کر اس غلط اقدام کو تحفظ فراہم کرتے ہیں، جبکہ عدالت نہ تو اس جوڑے سے کفو و غیر کفو کے شرعی مسلمہ اصول کے بارے میں سوال کرتی ہیں اور نہ ہی والدین کو طلب کیا جاتا ہے۔

اسی طرح شادی شدہ خواتین دعویٰ تنسیخ عدالت میں دائر کرتی ہیں، اس دعویٰ پر عدالتیں بغیر شرعی تقاضے پورے کئے خلع ڈگری کر کے میاں بیوی میں نکاح فسخ کرواتی ہیں، جبکہ جمہور مفتیان کرام کے فتویٰ کے مطابق اس طرح نکاح فسخ نہیں ہوتا یوں خواتین پہلے نکاح کے ہوتے ہوئے دوسری جگہ نکاح کر کے زندگی بھر گناہ میں مبتلا رہتی ہیں۔

مغربی ثقافت کا ایک خاصہ خودغرضی اور طمع و لالچ بھی ہے، اس کا لازمی نتیجہ سود اور جوئے کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے، چنانچہ سرمایہ دارانہ نظام کی اساس جوا اور سود ہی ہے، یہ بیماریاں ہمارے معاشرہ میں بھی ناسور کی طرح رچ بس گئی ہیں، شراب اور منشیات کا استعمال تو اب اس قدر کثرت سے ہونے لگا کہ اس جانب کسی کی توجہ ہی نہیں رہی، اہل علم وارثانِ نبیؐ ہیں اور انبیاء علیہم السلام نے کافرانہ ثقافت، تمدن اور نظام کو توڑ کر نظام الٰہی نافذ کیا ہے، اس لیے علماء کرام کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس نظام کے خلاف سینہ سپر ہو جائیں اور اپنی تمام تر توانائیاں اس مقصد کے لیے صرف فرمائیں، عوام الناس کو مغربی ثقافت کے مضر اثرات سے آگاہ فرمائیں، اسلام کی صحیح روح اور شکل لوگوں کے سامنے ظاہر کریں، تو جس ماحول میں آنکھیں کھل رہی ہیں وہ اسی کو اپنا تمدن بنا رہی ہیں، انہیں یہ بتانے کی ضرورت ہے کہ اسلام کا آفاقی نظام کس قدر مبارک اور مفید ہے، نیز مغرب کے اس بے ہودہ طرز زندگی میں دنیا و آخرت کا کتنا نقصان ہے، اس سلسلہ میں اہل علم کے لیے کام کی چند صورتیں پیش کی جا رہی ہیں۔

1)..... <u>مؤثر و مفید خطبات</u>: ہمارے خطباء کرام عموماً اپنے جمعہ، عیدین اور عوامی خطبات میں جن موضوعات پر گفتگو فرماتے ہیں وہ چند مخصوص عنوانات ہیں، نئے فضلاء اپنے خطبات تیار کرنے کی بجائے پہلے سے شائع شدہ خطباء کرام و علماء کرام کے مواعظ و خطبات کے مطالعہ پر اکتفا کر کے بیان کر دیتے ہیں، یہ خطبات بھی بہت مفید اور موثر ہیں لیکن ہر دور کے اپنے تقاضے اور ہر جگہ کا اپنا مقتضا ہوتا ہے، اس لیے موجودہ حالات اور مقام کے تقاضوں کو پیش نظر رکھ کر تقریریں کی جائیں، معروضی حالات میں ضرورت اس امر کی ہے کہ علماء کرام اپنے خطبات میں

درجِ ذیل موضوعات کو بھی اہمیت سے اجاگر کریں۔

(۱) اسلام و کفر کا باہمی موازنہ

(۲) سنت و بدعت

(۳) اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے خلاف لگائے جانے والے الزامات کے..... مدلل جوابات

(۴) فتنہ انکار حدیث اور انکار فقہ کا ردّ

(۵) عفت و پاک دامنی کی اہمیت

(۶) اسلامی شکل وصورت اور وضع قطع کی اہمیت

(۷) رزق حلال کی برکات اور رشوت و بدعنوانی کے نقصانات

(۸) فحاشی و عریانی کی مذمت و نقصانات

(۹) حقوق العباد کی اہمیت

(۱۰) اسلامی احکام کی پابندی کے ثمرات

(۱۱) قرب قیامت میں ظاہر ہونے والے فتنوں کا تذکرہ اور ان سے بچاؤ کی تدابیر

(۱۲) قرآن وسنت کی اہمیت اور اعتماد علی الاسلاف کی ضرورت

(۱۳) حلال وحرام کا فرق اور دور حاضر میں رزق حرام کی صورتیں

(۱۴) تجارت کی جائز اور ناجائز صورتیں۔

اس سلسلہ میں امم سابقہ کے واقعات، حضرات صحابہ کرام ؓ اور اسلاف امت کی زندگیوں کے پاکیزہ واقعات سے مدد لی جاسکتی ہے، جمعہ وعیدین کا اجتماع اہل علم کے پاس رائے عامہ کی درستگی اور فکری تربیت کے لیے بہترین ہتھیار ہے خاص طور پر عیدین کے اجتماع میں ایسا طبقہ بھی ہمیں میسر ہوتا ہے جو سال بھر ہماری گفتگو نہیں سن پاتا، اس لیے جمعہ وعیدین کا خطبہ نہایت ہی جامع، مفید اور موثر ہونا ضروری ہے، اس میں معاشرتی مسائل اور سماجی برائیوں کے خاتمہ کے لیے قرآن وحدیث سے مدلل شستہ گفتگو بہت سوں کی ہدایت کا باعث بن سکتی ہے، نیز کئی ایک لوگ گناہوں سے تائب بھی ہوسکتے ہیں۔

2)..... **قلمی جہاد:** فکری، اعتقادی، سماجی برائیوں کے خلاف قلم بھی بہترین ہتھیار

ہے، اہل علم اپنی تحریروں میں مذکورہ بالا موضوعات کو اجاگر فرمائیں، اپنے مضامین اتنے مفید اور موثر بنائیں کہ قومی اخبارات میں انہیں جگہ مل سکے، علاوہ ازیں مشنری جذبہ کے ساتھ جرائد، رسائل اور کتب کاروباری سوچ کے عوام الناس تک پہنچائیں، جامعات و مدارس سے نکلنے والے رسائل و جرائد کو عوامی اور سلیس بنایا جائے تاکہ حق کا یہ پیغام زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچ سکے۔ ان خطبات وتحریرات کو انٹرنیٹ (ویب سائٹس) پر بھی نشر کیا جائے، یہ رسائل و کتب عام لوگوں کو ای میل بھی کی جائیں، الغرض ہر ممکن طریقے سے اپنا پیغام عوام کو پہنچانے کا بندوبست کیا جائے۔

۳)..... **عصری تعلیمی اداروں سے رابطہ:** عوام الناس کے بیشتر بچے سکولز، کالجز اور یونیورسٹیز میں زیر تعلیم ہیں، یہی طبقہ ہے جو مستقبل میں ملک کی زمام انتظام واقتدار بھی سنبھالتا ہے اور مغربی تہذیب و افکار کا سب سے زیادہ شکار بھی یہی طبقہ ہے، اس طبقہ کو اس .....سے نجات دلانا دراصل ایک بڑا کام ہے، اس لیے عوامی تعلیمی اداروں تک اہل علم کی رسائی نہایت ہی ضروری ہے، اہل علم ان عوامی تعلیمی اداروں میں اپنے اساتذہ وانتظامیہ کے ذریعے رسائی حاصل کر سکتے ہیں، اثر ورسوخ کے ذریعے اگر سکول کی اسمبلی میں روزانہ یا ہفتہ وار پانچ سے دس منٹ کی گفتگو کا موقع حاصل کرلیا جائے اور یہ گفتگو با مقصد اور باسلیقہ ہو نیز مطالعہ کے ساتھ تیاری کی گئی ہو اور اخلاص کے ساتھ کی گئی ہو تو ان شاء اللہ یہ نہایت ہی انقلاب انگیز ہو گی، سکولز و کالجز وغیرہ میں تدریس کرنے والے علماء کرام کے لیے تو کام کا بہت بڑا میدان ہے وہ آسانی کے ساتھ اپنے اپنے ان تعلیمی اداروں میں اہداف حاصل کر سکتے ہیں، علماء کرام اپنی سرپرستی میں مدارس سے الگ تھلگ عوامی تعلیمی ادارے قائم کر کے اسلامی ثقافت کا احیاء بھی کر سکتے ہیں، چنانچہ بہت سے علماء کرام نے اس کا تجربہ بھی کیا ہے کہ انگلش میڈیم سکولز میں دینی ماحول پیدا کر کے تعلیم میں بھی نام پیدا کیا جاسکتا ہے اور دینی اہداف بھی حاصل کیے جاسکتے ہیں۔

مختلف دینی شعبہ جات کا باہمی ربط:

دین کے مختلف شعبوں میں کام کرنے والے حضرات ایک دوسرے کے ساتھ کام میں معاون ہوں تو اس کے بھی بہتر نتائج سامنے آسکتے ہیں، لکل من الرجال کے مسلمہ اصول کے تحت ہر شعبہ میں کام کرنے والے حضرات تقسیم کار سمجھ کر اپنے اپنے شعبہ میں اخلاص کے ساتھ کام کریں

لیکن دوسرے شعبوں میں کام کرنے والوں کے کام کی نفی نہ کریں بلکہ حتی الامکان تعاون فرمائیں، تبلیغ دین، جہاد فی سبیل اللہ، تعلیم وتدریس، تزکیہ واصلاح، اسلامی حکومت کے قیام کی جدوجہد، ردّ فرق باطلہ، احقاق حق وابطال باطل دین کے مختلف شعبہ جات ہیں، ہر آدمی بیک وقت تمام شعبہ جات میں کام نہیں کرسکتا، اس لیے ضروری ہے کہ کسی ایک شعبہ میں مصروف عمل ہو اور اپنے شعبہ میں اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لائے، دوسرے شعبوں میں کام کرنے والوں کا قلبی احترام کرے، ان کے لیے دعا گو ہو اور حتی الامکان انکا ممد ثابت ہو، نقصان اس وقت ہوتا ہے جب ایک شعبہ کو پورا دین سمجھ لیا جاتا ہے اور دوسرے شعبوں میں کام کرنے والوں کے کام کی عدم ضرورت یا عدم اہمیت کو ظاہر کیا جاتا ہے، دین کے جملہ شعبہ جات کی مثال بدن کے مختلف اعضاء کی ہے، ایک جسم میں ہر عضو کی اپنی جگہ ایک حیثیت اور ضرورت ہے، کسی بھی عضو کے نقصان کی صورت میں پورے جسم کا نقصان ظاہر ہوتا ہے، دین کے ان شعبوں میں کام کرنے والوں کا باہمی ربط ان شاءاللہ اشاعت دین کا ذریعہ ہوگا۔

و صلی اللّٰہ تعالیٰ علی خیر خلقه محمد وعلی آله و اصحابه اجمعین

صِبۡغَةَ اللّٰهِ وَمَنۡ اَحۡسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبۡغَةً (القرآن)

(ہم نے) اللہ کا رنگ (اختیار کرلیا ہے) اور اللہ سے بہتر رنگ کس کا ہوسکتا ہے

66ویں یومِ آزادی کے لیے خصوصی تحریر

لَیلَۃُ القَدر اور تخلیقِ پاکستان

عبدالرشید ارشد

روشن خیال کہہ سکتے ہیں کہ یہ محض اتفاق تھا کہ 14 اگست 1947ء کو اعلانِ آزادیٔ پاکستان یا تخلیق اسلامی جمہوریہ پاکستان کے روز 27 رمضان المبارک کے حوالے سے یہ لیلۃ القدر بھی تھی۔ اگر یہ مان لیا جائے تو بھی یہ کس قدر قیمتی اور کس قدر حسین اتفاق تھا کہ اسلامی نظامِ حیات کے تحت عامّۃ الناس کو زندگی گزارنے کی خاطر خالق کائنات نے اپنے مخلص بندے قائداعظم محمد علی جناح کی جھولی میں پاکستان لیلۃ القدر کی رات ڈالا۔ یہ تو مسلمہ حقیقت ہے کہ خالق کا ہر فیصلہ بروقت ہوتا ہے اور حکیمانہ بھی ہوتا ہے۔

آیئے دیکھتے ہیں کہ لیلۃ القدر ہے کیا؟ اس کی اس قدر اہمیت ہے کس بنیاد پر کہ خود خالق نے اسے ہزار مہینوں پر بھی فوقیت کا تمغۂ امتیاز عطا فرمایا۔ قرآنِ حکیم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

> ''بے شک ہم نے قرآنِ حکیم کو لیلۃ القدر میں نازل فرمایا۔ لیلۃ القدر ہزار مہینوں سے افضل ہے۔ اس رات روح الامین (حضرت جبرائیل علیہ السلام) اور فرشتے نازل ہوتے ہیں۔ یہ امن وسلامتی کی رات ہے جو سحر تک رہتی ہے۔''

نزولِ قرآنِ حکیم کا آغاز جس شب غارِ حرا میں ہوا وہ لیلۃ القدر تھی۔ لیلۃ القدر کی عظمت کو چار چاند اس لئے لگے کہ آخری اُمت کے لئے آخری مکمل و مدلل اور مفصل کتابِ ہدایت اس

رات سے نبی اکرم ﷺ کی وساطت سے بنی نوع انسان تک پہنچنی شروع ہوئی۔ اس روشنی نے انسان کی روزمرّہ عملی زندگی کو اس کی حقیقی جہت دیتے منور کرنا تھا اور قیامت تک منور رکھنا تھا۔ حضرت آدم علیہ السلام سے بعثت نبوی ﷺ تک کی پہلی ہر شریعت کو منسوخ کرتے شریعت مصطفوی کی اتھارٹی کو قائم کرنا تھا۔

لیلۃ القدر کی عظمت کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ اس رات حضرت محمد ﷺ کو منصب نبوت ہی نہیں سونپا گیا تھا بلکہ امام الانبیاء، ختم المرسلین اور رحمت للعالمین جیسے عظیم مراتب عطا فرمائے گئے تھے۔ یہ صرف اور صرف آپ ﷺ کا اعزاز تھا۔ آپ سے پہلے کوئی بھی جلیل القدر پیغمبر اس مرتبہ جلیلہ پر فائز نہ تھا۔ یہ سب کچھ غارِ حرا میں حضرت جبرائیل علیہ السلام کے پہلی وحی کے ان الفاظ اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ سے شروع ہوا تھا اور یہ لیلۃ القدر تھی۔

شب نزولِ قرآن اور شب بعثت نبوت کا ہی یہ حق تھا اور یہ حق ہے کہ ہر سال اس شب کی عظمت کا جشن منایا جائے۔ اس جشن میں خود خالق، اُس کے مقرب فرشتے تو شامل ہوتے ہی ہیں خالق نے مخلوق کو (اہل ایمان کو) اِسے شایانِ شان انداز میں منانے کا مکلّف بھی ٹھہرایا ہے۔ نبی اکرم ﷺ کے بہت سے فرامین لیلۃ القدر کو پروقار طریقہ سے منانے پر شاہد ہیں۔ جشن لیلۃ القدر جس میں خود خالق، محبوب ملائکہ شامل ہوتے ہیں اور اہل ایمان کو بڑے اہتمام سے شامل ہونے کا حکم دیا گیا ہے اُمت مسلمہ کو ہر جشن منانے کا قرینہ وسلیقہ بھی سکھاتا ہے کہ ہر لمحہ قرآن و سنت کی روشنی میں اظہارِ تشکر اور طلبی مغفرت پیش نظر رہنا چاہیے۔

یہ تو ہے لیلۃ القدر کی اہمیت وعظمت۔ آیئے اب دیکھیں کہ تخلیق پاکستان کے لئے میدان عمل میں جھنڈا کس کے ہاتھ میں تھا؟ کوشاں کون تھا؟ اس شخص کا نام تھا محمد علی جناح! محمد علی جناح انتہائی روشن خیالوں کے دیس میں رہ کر تعلیم حاصل کرتا رہا۔ رہن سہن اور لباس سے بھی خود روشن خیال ہی نظر آتا تھا۔ اندر کا حال اُس کے اور اُس کے رب کے مابین پوشیدہ تھا۔ محمد علی جناح کی ٹیم میں جہاں گنتی کے کھرے اور مخلص رفقاء تھے وہیں کچے اور مفاد پرستوں کی بھی کمی نہ تھی۔ قیامِ وطن کے بعد دونوں طرح کے کردار کھل کر سامنے آ گئے۔ محمد علی جناح نے 1937ء میں اپنا 'اندر' سب کے سامنے کھول دیا تھا۔

روشن خیال محمد علی جناح نے 1937ء میں جب مسلم لیگ کے سامنے بالخصوص اور عوام کے سامنے بالعموم اپنے مافی الضمیر کا کھلا اظہار کیا تو کچھ لوگوں کو یقیناً اس بات پر دکھ ہوا کہ یہ تو اندر سے بنیاد پرست نکلے۔ روشن خیال خول ان کے جسم پر سجا تھا۔ محمد علی جناح فرما رہے تھے:

''مسلمانو! میں نے دنیا کو بہت دیکھا۔ دولت، شہرت اور عیش وعشرت کے بہت لطف اُٹھائے۔ اب میری زندگی کی واحد تمنا یہ ہے کہ میں مسلمانوں کو آزاد اور سربلند دیکھوں۔ میں چاہتا ہوں کہ جب میں مروں تو یہ یقین اور اطمینان لے کر مروں کہ میرا ضمیر اور میرا اللہ گواہی دے رہا ہو کہ جناح نے اسلام سے خیانت نہیں کی اور مسلمانوں کی آزادی و تنظیم اور مدافعت میں اپنا فرض ادا کیا۔

میں آپ سے اس کی داد اور شہادت کا طلبگار نہیں ہوں۔ بلکہ میں چاہتا ہوں کہ مرتے دم میرا دل، میرا ایمان اور میرا اپنا ضمیر گواہی دے کہ جناح! تم نے واقعی مدافعت اسلام کا حق ادا کر دیا۔ جناح! تم مسلمانوں کی تنظیم واتحاد اور حمایت کا فرض بجالائے۔ میرا اللہ یہ کہے کہ بے شک تم مسلمان پیدا ہوئے اور کفر کی طاقتوں کے غلبے میں علم اسلام کو سربلند رکھتے ہوئے مسلمان مرے۔'' (بحوالہ النور ٹرسٹ کے علمی اور تحقیقی کام کا جائزہ صفحہ 1)

مسلم لیگ کے قائداوّل محمد علی جناح کا مذکورہ اعلان اُن کے ایمان واخلاص کی گہرائی و گیرائی کے معیار کی بلندی ظاہر کر رہا ہے۔ یہ اُن کی نکھری شخصیت کی تصویر ہے۔ اب اس سے آگے بڑھتے یہ دیکھئے کہ بیمار و کمزور مگر عزم و ہمت کی چٹان محمد علی جناح مسلم لیگ کا علم سربلند کیے مانگ کیا رہا تھا؟ انگریز اور ہندو بنیے سے چھیننا کیا چاہتا تھا اور کس لیے چاہتا تھا؟ ملاحظہ فرمائیے:

''اس قوم کو ایک جداگانہ گھر کی ضرورت ہے۔ ان دس کروڑ مسلم عوام کو جو اپنی تمدنی، معاشرتی صلاحیتوں کو اسلامی خطوط پر ترقی دینا چاہتے ہیں ایک اسلامی ریاست کی ضرورت ہے۔''

''مسلمان غلامی کو خدا کا عذاب سمجھتا ہے۔ مسلمان اور غلام دو متضاد چیزیں ہیں۔ ایک آزاد اسلامی سلطنت کے بغیر اسلام کا تصور ہی باطل ہے۔ مسلمانوں کے

نزدیک صحیح آزادی کا تصور یہ ہے کہ وہ ایسی اسلامی حکومت کو معرضِ وجود میں لائیں جو قرآن کریم کے ضابطہ خداوندی کی متشکل ہو۔ مسلمان کے نزدیک ہر وہ نظامِ حکومت باطل ہے جو کسی انسان کا وضع کردہ ہو کیونکہ اُس کے پاس ایک محکم دستور ہے جو اس کی ہر موقع پر اور ہر زمانہ میں راہنمائی کر سکتا ہے۔

(قائداعظم محمد علی جناح سے سوال کیا گیا کہ مذہب اور مذہبی حکومت کے لوازم کیا ہیں؟ جواباً فرمایا)

''جب میں انگریزی زبان میں مذہب RELIGION کا لفظ سنتا ہوں تو زبان اور محاورے کے مطابق لامحالہ میرا ذہن خدا اور بندے کی باہمی نسبت اور رابطہ کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ لیکن میں بخوبی جانتا ہوں کہ اسلام اور مسلمانوں کے نزدیک مذہب کا یہ محدود تصوّر اور مقید مفہوم نہیں ہے۔ میں نے قرآن مجید اور قوانین اسلامیہ کے مطالعے کی اپنے طور پر کوشش کی ہے۔ اس عظیم الشان کتاب کی تعلیمات میں انسانی زندگی کے ہر باب کے متعلق ہدایات موجود ہیں۔ زندگی کا روحانی پہلو ہو، معاشرتی یا سیاسی پہلو ہو یا معاشی پہلو ہو غرض یہ کہ کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جو قرآنی تعلیمات کے دائرہ سے باہر ہو۔ قرآنِ کریم کی اُصولی ہدایات اور طریقہ کار میں نہ صرف مسلمانوں کے لئے بلکہ اسلامی حکومت میں غیر مسلموں کے لئے بھی حسن سلوک اور آئینی حقوق کا جو حصہ ہے اُس سے بہتر کا تصور ممکن نہیں ہے۔ (بحوالہ ''حیات قائداعظم'' از چودھری سردار محمد خان عزیز'' صفحہ 255,252,226)

مذکورہ صاف و شفاف آئینے میں محمد علی جناح کی شخصیت اور آزاد اسلامی مملکت کے مجوّزہ چارٹر کو دیکھئے کہ وہ خود کیا تھے؟ وہ چاہتے کیا تھے؟ اور عطا کرنے والی حقیقی اتھارٹی (خالق کائنات) سے کس تعلق اور کس ضرورت کے تحت آزاد مملکت مانگی جا رہی تھی۔ کیا یہ مطالبہ ردّ کیا جا سکتا تھا؟ اللہ ربّ العزت کو اخلاصِ نیت اور کھوٹ سے پاک طلب پسند ہے چنانچہ جتنی بڑی عطا کرنے والی ہستی تھی، جس قدر بامقصد خالص طلب تھی اور جس قدر معیاری مانگنے والے کا اخلاص تھا ہر مقام بہت ہی اعلیٰ مقام کا تقاضا کرتا تھا چنانچہ یہ محض اتفاق نہ تھا یہ خالق کا حکیمانہ فیصلہ تھا کہ محمد علی جناح کی جھولی میں 27 رمضان المبارک (14 اگست 1947ء) کی لیلۃ القدر

آزاد اسلامی جمہوریہ پاکستان کا گراں قدر انعام ڈال دیا گیا اور محمد علی جناح کے قائداعظم کے مرتبہ جلیلہ پر فائز ہونے کی تصدیق ہوگئی۔

14 اگست 1947ء سے 11 ستمبر 1948ء تک قائداعظم محمد علی جناح نے نوزائیدہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کا ناک نقشہ سنوارنے میں اپنی شدید نوعیت کی بیماری کو بھی آڑے نہ آنے دیا۔ مخلص ساتھی گنتی کے تھے اور مفاد کے بیٹے عددی برتری رکھتے تھے اور اُن کی کوشش اور دُعا تھی کہ قائداعظم محمد علی جناح سے جلد ''جان چھٹ جائے'' اور وہ دل کے ارمان پورے کریں۔ اُن کی خواہشیں اور 'کوششیں' رنگ لائیں کہ قائداعظم محمد علی جناح کراچی ائیر پورٹ اور گورنر ہاؤس کے درمیان ایمبولینس میں گھنٹوں تڑپتے اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے خالق حقیقی سے اپنی محنت کا، اپنے اخلاص کا انعام لینے حاضر ہوگئے۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون

11 ستمبر 1948ء کے بعد پاکستان پر مسلم لیگ کی 'اجارہ داری' قائم ہوگئی یعنی مستقبل کے لئے باگ دوڑ مسلم لیگ کے ہاتھ میں تھی۔ ملک کو دستور چاہیے تھا۔ قائداعظمؒ نے جس طرح قرآن کو تسلسل کے ساتھ ہر پلیٹ فارم پر دستور قرار دیا تھا اُس کے لئے قائداعظمؒ کے وارث تیار نہ تھے۔ دینی قوتیں ملک کو اسلام کی طرف لے جانا چاہ رہی تھیں تو روشن خیال مسلم لیگیوں کو اس میں اپنے ارمانوں کی موت نظر آ رہی تھی۔ اسلام پر پھبتیاں کسی جا رہی تھیں کہ کس فرقے کا اسلام نافذ کریں۔ تمام مکاتب فکر کے علماء نے بالاتفاق 22 نکات کا چارٹر حکومت کے سامنے پیش کر دیا اور دینی قوتوں کے دباؤ ہی کا اثر تھا کہ قرارداد مقاصد پاس ہوئی اور آئین کا جز قرار پائی مگر محض تبرک کے طور پر کہ قرارداد مقاصد نے آج تک کسی کا 'بال بیکا' نہیں کیا۔ یوں گیدڑ کے شیر کی کھال پہن کر شیر بننے کی طرح آئین پاکستان بھی اسلامی آئین بن گیا۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون

قائداعظم محمد علی جناحؒ کی وفات کے بعد اُن کے جانشینوں نے امریکی بلاک میں اپنے مستقبل کا تحفظ تلاش کیا۔ امریکہ کی طرف سے US-AID کے سلوگن اور پروگرام کے تحت امداد کا راستہ مل گیا۔ امداد کے ہر پیکٹ پر، ہر طرح کی دوسری اشیاء پر ''امریکہ کے ہاتھ میں پاکستان کا ہاتھ'' کے سٹیکر چسپاں دیکھتی قوم امریکہ کو محسن سمجھنے لگی۔ نوزائیدہ اسلامی جمہوریہ مسائل آبادکاری و معیشت میں گھری ہوئی تھی اس لئے حکمران طبقے کے علاوہ کسی کو سوچنے کی فرصت ہی نہ تھی۔ حکمران طبقہ

سوچتا تھا مگر صرف یہ کہ اقتدار کس طرح مستحکم رہ سکتا ہے اور یقیناً امریکہ اس کا 'ضامن' تھا۔

قائداعظم محمد علی جناحؒ نے جس اسلامی جمہوریہ پاکستان کا خواب دیکھا تھا، جس اسلامی نظریاتی ریاست کی تشکیل کے لئے بیمار جسم و جان کے ساتھ جہد مسلسل کرتے جان کی بازی ہاری تھی وہ امریکہ کے لئے قطعاً قابل قبول نہ تھی۔ چونکئے گا نہیں! امریکہ کا روحانی اور معاشی آقا یہودی کرۂ ارض پر کسی نظریاتی اسلامی ریاست کے حق میں نہ پہلے کبھی تھا، نہ اُس وقت تھا اور نہ آج ہے۔ پہلے دن سے انڈین سول سروس سے پاکستان آنے والے پالیسی ساز بیوروکریٹس میں سے من پسند بندوں کی پشت پر اُنہوں نے 'دست شفقت' پھیرنا شروع کر دیا تھا کہ یہ اُن کی برسوں قبل طے شدہ پالیسی کا بنیادی نکتہ ہے۔ ملاحظہ فرمایئے پروٹوکولز کا فیصلہ:

> ''اگر کہیں کوئی منصوبہ سازی ہو رہی ہو تو اس منصوبہ میں اہم کردار ادا کرنے والا کوئی ہمارا مخصوص اور قابل اعتماد بندہ ہونا چاہیے۔ فطری بات ہے کہ فری میسن کے علاوہ اور کون حق رکھتا ہے کہ وہ اہم معاملات کو اپنے ہاتھ میں رکھے کیونکہ یہ صرف ہم جانتے ہیں کہ معاملات کو کیا شکل دینی ہے اور کس انجام تک لے جانا ہے جس کا غیر یہود کو قطعاً شعور نہیں ہے۔(PROTOCOLS 15:5)

مذکورہ اقتباس کی روشنی میں اسلامی جمہوریہ پاکستان کے گزرے ماہ و سال کے واقعات و حادثات پر نظر بصیرت ڈالتے خود ہی فیصلہ کر لیجیے کہ امریکی دوستی نے ہم سے کیا کیا کام کروائے، ہم نے 'خوش دلی' سے کیے جن میں اسلامی نظریۂ حیات کی عملاً ترویج، نظریاتی نظامِ تعلیم اور شرعی نظامِ معیشت وغیرہ شامل ہیں۔ ہمارے نظامِ عدل کو اسلامی خطوط پر کبھی استوار نہ ہونے دیا۔ علماء کی صفوں میں اپنے 'گھس بیٹھیے' داخل کر کے دینی اتحاد کو پارہ پارہ کیا اور ہر لحہ اس خلیج کو وسیع سے وسیع تر کرنے کے اقدامات کیے جنہیں ہمارے اعلیٰ قیادت کی آشیر باد بھی حاصل رہی کہ اسی میں اُن کے اقتدار کے استحکام کی ضمانت تھی۔

ہماری مذکورہ گزارشات محض قیافوں کی رام کہانی نہیں ہے۔ ترک سلطان عبدالحمید نے جب آغا خان کی سفارش کے باوجود یہودیوں کو ارضِ فلسطین میں اراضی فروخت کرنے سے انکار کیا تھا تو اُنہوں نے اسی فری میسن تحریک کے ذریعے ترک نوجوانوں، دانشوروں اور بیوروکریٹس

کو اپنی ڈھب پر لا کر سلطان عبدالحمید کی خلافت کا تختہ اُلٹ دیا تھا۔ آغا خان کے زمین خرید وفد میں شامل یہودی ہی اس وفد میں بھی شامل تھا جو سلطان عبدالحمید کو خلافت کی معزولی کا 'مژدہ' سنانے گیا۔ اس سے یہود کی کاروائی کے طریقہ کار کا اندازہ ہو جانا چاہیے۔ آپ مثال کے طور پر بنگلہ دیش بنایا جانا دیکھ لیں یا آج کل بلوچستان، کراچی، سندھ اور فاٹا میں بھارتی را، امریکی سی آئی اے کی عملی محنت کا گہری نظر سے جائزہ لیجیے ہر بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہوگی۔

ممکن ہے آپ سوچیں کہ ہم نے آپ کو کن بھول بھلیوں میں اُلجھا دیا ہے۔ بات ایسی نہیں ہے۔ ہم آپ کو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ماضی کے 64 سالوں میں ہم بتدریج مسائل کی دلدل میں کیسے اور کیوں دھنستے چلے گئے۔ ہم نادیدہ ہاتھوں کو نہ پہچان سکے اور نہ ہی اُن سے جان چھڑا سکے۔ ہم نے ہر سال بڑے اہتمام سے بڑی شان سے یومِ استقلالِ پاکستان، یوم آزادیٔ پاکستان منائے، تقاریر کیں، بیان بازی کی، بلند بانگ دعوے کیے مگر ہمارا روزہ مرّہ کا کردار عملاً اس کی شہادت نہ دے سکا۔ یہ ہم سب کے سامنے ہے۔ قائد کی روح ہم سے سوال کرتے تھک چکی کہ میں نے کیا چاہا تھا، تم نے کیا کر دکھایا۔ مگر ہمارا ضمیر سوئے رہنے پر مصر ہی دیکھا گیا۔ ہم کروٹ بدلنے پر آمادہ نہ ہو سکے، غنودگی نیند میں بدلتی دیکھی گئی۔

لیلۃ القدر کی عظمت، پھر اس شبِ عظیم عطیۂ الٰہی، بصورت آزاد اسلامی جمہوریہ پاکستان، چاہیے تو یہ تھا کہ ہم ہر لمحہ اس عطیہ پر خالق و مالک کا شکر ادا کرتے اس عطیہ پر اپنی گرفت مضبوط سے مضبوط تر بناتے تاکہ مستقبل کی نسل فیض یاب ہوتی، ہمارے طرزِ عمل کو دیکھتے قدر دان ہوتی۔ شکر کی سمت راہنمائی کرنا علماء کا کام تھا یا نظامِ تعلیم کا۔ اوّل الذکر کو مسلک کی جنگ نے مصروف رکھا، نت نئی مسلکی جماعتیں معرضِ وجود میں آئیں، دین کے نام پر سر پھٹول روز مرّہ کا چلن بن گیا تو تعلیم پر لارڈ میکالے کی ذرّیت نے اجارہ داری قائم کی جو آج تک روشن خیال نظامِ تعلیم کے نام پر ترقی کر رہی ہے۔

جب نظریہ سے انحراف ہوا تو نظامِ عدل مجروح ہوا اور نظامِ عدل ہی وہ ریڑھ کی ہڈی ہے جو استحکامِ وطن کی ضمانت بنتا ہے۔ دوسری جنگ عظیم کے دوران جب جرمن بمبار انگلینڈ کی اینٹ سے اینٹ بجا رہے تھے، برطانوی زخموں سے چور چور تھے کسی صحافی نے وزیراعظم چرچل

سے سوال کیا تھا کہ مسٹر چرچل آج کل آپ پریشان تو ہوں گے، برطانیہ کا مستقبل آپ کیسا دیکھتے ہیں؟ تو چرچل نے پہلے جملے کے جواب میں کہا تھا' میں اس قدر مصروف ہوں کہ پریشان ہونے کے لئے میرے پاس وقت نہیں ہے اور دوسرے حصے کا جواب دینے کے بجائے اُلٹا سوال کرنے والے سے یہ سوال کیا کہ' کیا برطانوی عدلیہ انصاف نہیں کر رہی؟' چرچل کے کہنے کا مقصد واضح تھا کہ اگر عدلیہ انصاف پر مبنی فیصلے کر رہی ہے تو برطانیہ کو کچھ نہیں ہوگا اور پھر دنیا نے دیکھا کہ برطانیہ کو کچھ نہ ہوا۔

قوم کا ہر بالغ النظر گواہ ہے کہ ذوالفقار علی بھٹو کے دور میں آٹا، چینی اور مٹی کا تیل قطاروں میں کھڑے ہو کر ڈپوؤں سے لوگ لیتے تھے۔ پھر ملک میں تحریک نظامِ مصطفیٰ چلی، کراچی سے خیبر تک قوم گھروں سے نکل کھڑی ہوئی۔ تحریک کو دبانے کی خاطر بدترین تشدد کی راہ اپنائی گئی۔ لوگوں کو بے دریغ خون کا غسل دیا گیا تا آنکہ جنرل ضیاء الحق نے زمامِ اقتدار اپنے ہاتھ میں لے کر اعلان کیا کہ میں ملک میں اسلام کو بالفعل نافذ کروں گا۔ قوم کا مطالبہ ملک میں نظامِ مصطفیٰ ﷺ کے قیام کا تھا تو ضیاء الحق بھی دل سے یہی چاہتے تھے۔ اس حقیقت کا اظہار اسلامی نظریاتی کونسل کے رکن مفتی سیاح الدین صاحب کاکاخیل نے ریاض سعودی عرب میں کھانے پر ایک ملاقات کے دوران کیا۔

مفتی سیاح الدین کاکاخیل نے بتایا کہ جنرل ضیاء الحق ذمہ داری سنبھالنے کے چند روز بعد نظریاتی کونسل میں تشریف لائے اور کہنے لگے کہ آپ لوگ ملک میں نظامِ اسلام چاہتے ہیں اور میں بھی یہی چاہتا ہوں لہٰذا آپ نے جو ہوم ورک اب تک کیا مجھے بلاواسطہ بھجوایئے میں نافذ کروں گا۔ ہم بہت خوش ہوئے اور فائلوں کی جھاڑ پونچھ شروع کر دی مگر دوسرے ہی دن جناب اے کے بروہی صاحب کی وزات مذہبی اُمور سے مراسلہ آ گیا کہ صدر صاحب کے ساتھ تمام روابط وزارتِ مذہبی اُمور سے ہوں گے۔ چنانچہ ہم نے تمام ضروری فائلیں وزارتِ مذہبی اُمور کو بھجوا دیں۔

ایک طرف اسلامی نظریاتی کونسل اور جنرل ضیاء الحق صاحب کا نفاذِ اسلام کے لئے اخلاص تھا تو دوسری طرف یہود و نصاریٰ کے پے رول پر پلنے بڑھنے والی بیوروکریسی کے مہرے

تھے جو خارجی آقاؤں کے ایجنڈے پر کام کرتے ہر قیمت پر اسلامی نظام کی راہ روکنے کی خاطر مستعد دیکھی جارہی ہے۔ موثر بیوروکریٹس اور بعض حکومتی عمائدین اُنہی کے بندے بن کر نفاذِ اسلام کی راہ کا بھاری پتھر بنے رہے ہیں بلکہ آج بھی ہیں۔ 'اُن' کا فیصلہ ملاحظہ فرمایئے:

''عوام میں سے جو بھی انتظامیہ ہم منتخب کریں گے اپنی (یہود کی) وفاداریوں کی تکمیل کی صلاحیت کے حوالے سے وہ ان حکومتوں کے اپنے تیار کردہ افراد کی طرح تربیت یافتہ نہ ہوں گے۔ بلکہ بچپن سے کرۂ ارض پر حکمرانی کے لئے زیر تربیت رکھے گئے وہ لوگ ہوں گے جو مہروں کی طرح ہمارے ماہرین، مشیروں اور دانشوروں کے اشارۂ آبرو کو سمجھیں گے۔ ہمارے یہ ماہرین اپنے حکمرانی کے تقاضوں کی تکمیل کی خاطر مطلوب معلومات، تاریخی نچوڑ، ہمارے سیاسی عزائم اور گزرتے لمحات کے واقعات و مشاہدات سے لیتے ہیں۔ غیر یہود کو حتمی تاریخی مشاہدات سے عملی راہنمائی دینے کے بجائے محض غیر عملی معلومات فراہم کی جاتی ہیں۔(PROTOCOLS:2-2)

یہ تھی بیوروکریسی یا یہ ہے بیوروکریسی جس نے ضیاء الحق کو نفاذِ اسلام کا ہدف حاصل نہ کرنے دیا اور یہ ہے بیوروکریسی اور عمائدین سلطنت جو آج بھی قائداعظم کے نظریۂ پاکستان کی راہ کے بھاری پتھر ہیں۔ کل کا وزیرخزانہ شعیب ہو، عارضی وزیراعظم معین قریشی ہو، شوکت عزیز ہو، اُنہی کے تھے پاکستان کا کھایا مگر اُنہی کا گایا۔

ضیاء الحق کی نیت اور قوم کے مخلصانہ مطالبہ کی لاج اللہ تعالیٰ نے یوں رکھی کہ قطاروں میں کھڑے ہوکر راشن لینے والوں کو اس قدر گندم اور چینی کی پیداوار سے نوازا کہ اگلے سال 50 ہزار ٹن گندم اور چینی بھی ایکسپورٹ کی۔ یہ صورتِ حال کم وبیش تین سال رہی۔ مگر جب قوم اور حکمران مطالبے کی میٹھی نیند سلانے پر اُدھار کھا بیٹھے تو ویرانی پلٹ آئی۔ خالق کائنات کو دھوکا نہیں دیا جاسکتا، وہ جھوٹے وعدوں سے بھی نہیں بہلایا جاسکتا۔

65ویں یومِ آزادی پر آج روحِ قائدؒ سوال کررہی ہے کہ میری اسلامی نظریاتی مملکت کو جس اسلامی نظامِ حیات کی ضرورت تھی اس سے انحراف کیوں کیا؟ یقیناً ہمارے حکمران طبقہ کے

پاس جواب نہیں ہے۔ اگر دیانتدارانہ جواب کوئی دینا چاہے گا تو صرف یہی جواب بن پائے گا کہ ہوسِ مال و جاہ سدراہ تھی۔ رہے عوام تو اُن کی حالت ''مردہ بدست زندہ'' کی سی ہے۔ 'علما وصلحا' .....سیاست کے اجارہ داروں کے ہتھے چڑھ کر اپنا رات دن کا سکون، اپنی معیشت تج کیے بیٹھے ہیں۔ 'نہ پائے ماندن نہ جائے رفتن' کی صورتِ حال پیدا ہے۔ روحِ قائد ہم شرمندہ ہیں کہ عہد وفا نبھا نہ سکے کیونکہ نادیدہ ہاتھ ہمیں یعنی ہمارے ہر طبقہ پر چھا گئے۔ یہ 'شارک یہودی' تھے اور ہیں:

''شارک (یہودی) سرمایہ دار ہے جو سرمایہ کو سود پر پھیلا کر (آئی ایم ایف، لندن، پیرس کلب) اپنا شکار قابو کرتا ہے۔ وہ یہودی مقاصد کے حصول کے لئے بھی سرمایہ لگاتا ہے جس کی بنیاد پر غیر یہودی دانشوروں، صحافیوں، سیاستدانوں، ریڈیو رٹی وی کے فنکاروں، شاعروں اور ادیبوں کو پس پردہ رہ کر خریدتا ہے۔ غیر یہود کی صلاحیتوں کو سامنے لا کر فلاح وخوشحالی اور ذریعہ استحکامِ وطن بننے سے روکنے کے لئے بے دریغ پیسہ لگاتا ہے وہ بنیادی اسامیوں پر تعینات بااثر سرکاری ملازمین کو اپنی ضروریات کے لئے خریدتا ہے تاکہ ملک کی سیاسی، معاشی اور معاشرتی حیثیت کا ملاً اس کی گرفت میں رہے خصوصاً جہاں ان کا تعلق ملک کی خفیہ ایجنسیوں یا ملکی پالیسی سے ہو۔'' (وثائق یہودیت صفحہ 143)

شارک یہودی کے حوالے سے بیان کردہ صورتِ حال آج اسلامی جمہوریہ پاکستان میں بچشم سر دیکھی جارہی ہے۔ عملی زندگی کا کونسا گوشہ ہے جو شارک کے حملے سے محفوظ ہے ہماری سیاست، ہماری معیشت، ہمارا نظامِ تعلیم وتربیت، ہمارا نظامِ صحت، ہمارا کلچر اور ہماری اخلاقی و مذہبی اقدار، غرض ہر شے رُو بہ زوال ہے۔ ہمہ جہت افراتفری کی کیفیت ہر کوئی دیکھ رہا۔ آئی ایم ایف کے سودی قرضے ہر آن مہنگائی بڑھنے اور بڑھتے رہنے کی نوید سناتے ہیں۔ بے روزگاری کے سبب خودکشیاں روزمرہ کا معمول ہیں۔ عزتیں داؤ پر لگی ہیں۔ ہر کوئی عدمِ تحفظ کا شکار ہے۔

یہ سب کچھ اپنی جگہ درست مگر ایک مسلمہ اُصول ہمیں حوصلہ دے رہا ہے اور وہ خالق کا فرمان ہے

عَسٰٓی اَنۡ تَکۡرَهُوۡا شَیۡئًا وَّ هُوَ خَیۡرٌ لَّکُمۡ وَ عَسٰٓی اَنۡ تُحِبُّوۡا شَیۡئًا وَّ هُوَ شَرٌّ لَّکُمۡ وَ اللّٰهُ یَعۡلَمُ وَ اَنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ (القرآن)

''ظلم بڑھتا ہے تو مٹ جاتا ہے۔'' خالق ظالموں، مطلب پرستوں کو ڈھیل دیتا ہے کہ کھل کھیل

لیں تا کہ جب رسی کھینچ لی جائے تو کوئی عذر کوئی باقی نہ رہے۔ لیبیا، تیونس، یمن اور مصر میں یہ رسی حال ہی میں کھینچ لی گئی۔ ظالموں کی بے بسی دیدنی تھی۔ ظالم کے ساتھ اکثر مظلوم بھی پٹتے ہیں کیونکہ اُنہوں نے ظالم کو ظلم سے روکنے کی مؤثر کوشش نہ کی تھی۔

فطرت افراد سے اغماض تو کر لیتی ہے
مگر کرتی نہیں ملت کے گناہوں کو معاف

اس صورتِ حال کی 'صفائی' کا انتظام خود خالق فرمائے گا کیونکہ لیلۃ القدر کو عطا کردہ گراں قدر تحفے کی حفاظت اُسی نے کرنی ہے۔ قائد کے اخلاص کا اور اپنی لیلۃ القدر کی عطا کا بھرم اُسی خالق نے نبھانا ہے۔ مگر اس کا مطلب ہرگز یہ بھی نہیں کہ ہم مراقبے میں بیٹھ جائیں۔ سعی و جہد کے لئے ہم مکلّف ہیں (لیس الانسان الاماسعی)

اسلامی جمہوریہ پاکستان کا 65 پینسٹھواں یومِ آزادی رمضان میں آرہا ہے یہ دن یہ مہینہ تجدید ایفائے عہد کا مہینہ ہے۔ ماضی کی کوتاہی سے بریت کا، حال کے محاسبے کا اور مستقبل عزمِ نو کے ساتھ سب کچھ سنوارنے کا مہینہ ہے۔ کوتاہیوں پر مخلصانہ ندامت کرتے اگر توبہ کی جائے تو یہ اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔ توبہ کے ساتھ پسندیدہ اعمال سے نہ صرف سدھر جاتا ہے۔ بلکہ مستقبل کی ہر بہتری بھی مقدر بن جاتی ہے۔ اگر اس رمضان المبارک میں قوم اپنا قبلہ درست کر لے ایک بار پھر اخلاص نیت کے ساتھ نظامِ مصطفیٰ کی ملک گیر تحریک چل نکلے جس کے ردِّعمل میں قیادت صالحہ قوم کو نصیب ہو جائے تو اللہ کی رحمت کا سایہ اُسے ہر تحفظ ہر خوشحالی اور ہر طرح کا سکون عطا فرمادے گا۔ پھر امریکی یورپی غلامی سے نجات بھی نصیب ہوگی اور اقوامِ عالم میں عزت و وقار کا اعلیٰ مقام بھی ملے گا۔ ہمارا آج بقول علامہ اقبالؒ: (ماضی و حال کا تقابل)

وہ زمانے میں معزز تھے مسلمان ہوکر
ہم خوار ہوئے ہیں تارک قرآن ہوکر

ہمارے کل کے لئے فارمولا بقول علامہ اقبالؒ اور اللہ کی رحمت کے حقدار بننے کا نسخہ یوں بیان ہوا

اس حال میں تو عرصۂ ہستی میں اُتر آ — اک ہاتھ میں قرآن ہو اک ہاتھ میں تلوار
محمد کی غلامی ہے سند آزاد ہونے کی — خدا کے دامن توحید میں آباد ہونے کی

خودی کی حقیقت

1

ڈاکٹر محمد رفیع الدین
کی کتاب ''حکمت اقبال'' سے ایک باب

خودی کیا ہے؟

اقبال کی حکمت میں خودی سے مراد وہ شعور ہے جو خودشناس اور خودآ گاہ ہو اور اپنی ذات اور اپنے مقاصد کا احساس یا شعور رکھتا ہو لیکن یہاں شعور کا مطلب ہوش یا تمیز نہیں بلکہ وہ چیز ہے جس کا خاصہ ہوش یا تمیز رکھنا ہے یا جس کی وجہ سے ایک انسان تمیز یا ہوش رکھتا ہے انسان میں یہی چیز ہے جو خودشناس یا خودآ گاہ ہونے کی وجہ سے اپنے آپ کو ''میں'' کہتی ہے اس لئے اقبال اس کو ''اَنا'' یا ''ایغو'' یا ''من'' بھی کہتا ہے اور پھر یہی وہ چیز ہے جس کی وجہ سے انسان زندہ ہے اور جب مرتا ہے تو یہی وہ چیز ہے جو اس کے جسم سے رخصت ہو جاتی ہے۔ اس لئے اقبال اس کے لئے ''روح'' اور ''جان'' کے الفاظ بھی استعمال کرتا ہے اور اس کو ''زندگی'' اور ''حیات'' کے ناموں سے بھی تعبیر کرتا ہے۔

؎ عقل مدت سے ہے اس پیچاک میں اُلجھی ہوئی
روح کس جوہر سے خاک تیرہ کس جوہر سے ہے

؎ ارتباط حرف و معنی اختلاف جان و تن
جس طرح اخگر قبا پوش اپنے خاکستر سے ہے

زندگی بغیر شعور کے نہیں ہوتی لہٰذا ان معنوں میں کہ شعور زندگی ہے ایک خاص سطح کا

شعور حیوان میں بھی موجود ہے لیکن حیوان کا شعور آزاد نہیں بلکہ قدرت کی پیدا کی ہوئی نا قابل تغیر جبلّتوں کے ماتحت کام کرتا ہے اس کے برعکس انسان کا شعور جبلّتوں سے آزاد ہوکر اور ان کی مخالفت میں بھی عمل کرتا ہے اس لئے کہ وہ خودشناس اور خودشعور ہے اور اپنے مقاصد کو جانتا ہے۔ حیوان اپنے شعور کی وجہ سے فقط سوچتا، جانتا اور محسوس کرتا ہے لیکن انسان اپنے شعور کی وجہ سے نہ صرف جانتا، سوچتا اور محسوس کرتا ہے۔ بلکہ جب وہ ایسا کرتا ہے تو وہ جانتا بھی ہے کہ وہ جانتا، سوچتا اور محسوس کرتا ہے۔ اس لئے ہم انسان کے شعور کو خودشناس اور خودآگاہ کہتے ہیں۔ اسے شعور نہیں بلکہ خودشناسی، خودشعوری یا خودآگاہی کہنا چاہیے۔ اقبال اسی کو خودی کہتا ہے۔

خودی کے اوصاف وخواص خودآگاہی

خودآگاہی خودی کا ایک حیرت انگیز خاصہ ہے، اسی خاصہ کی وجہ سے کائنات برپا ہے، اور انسان کی ساری تگ ودو اور جدوجہد اسی خاصہ کی وجہ سے ہے، اسی کی وجہ سے خودی اپنے آپ کو بغیر آنکھوں کے دیکھتی ہے اور بغیر کانوں کے سنتی ہے بلکہ اپنے آپ کو کسی حسّ کی مدد کے بغیر براہ راست پوری طرح سے جانتی ہے۔ میں جانتا ہوں کہ میں ہوں کیونکہ میں سوچ رہا ہوں، جان رہا ہوں اور خوشی یا غم محسوس کر رہا ہوں۔ لیکن میری کوئی حس مجھے اپنے آپ کو جاننے میں مدد نہیں دے رہی اگرچہ میں اپنی خودی کو ان آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتا لیکن اس کے باوجود بغیر ان آنکھوں کے اس طرح سے دیکھ رہا ہوں کہ میرے لئے اپنے آپ کا علم ان چیزوں کے علم سے بدرجہا زیادہ یقینی ہے جن کو میں اپنی آنکھوں سے دیکھ کر جانتا ہوں۔ ان کا جاننا میرے لئے اسی وجہ سے ممکن ہے کہ میں اپنی خودی کو جانتا ہوں کیونکہ ان کا علم وہی ہے جس کو میری خودی جانتی ہے اور میری خودی سے باہر ان کا کوئی علم نہیں لہٰذا اگر میں اپنی خودی کو نہ جانوں تو دنیا کی کسی چیز کو دیکھنے کے باوجود نہیں جان سکتا اگر دنیا بھر میں کسی چیز کا یقینی علم ہمیں حاصل ہے تو وہ فقط اپنی خودی کا علم ہے۔ ہم اپنی خودی کے علم سے ہی اپنے دوسرے غیر خودی کے علم کو پرکھتے ہیں۔

خودی کا وجود فریب یا وہم نہیں

خارج کی دنیا کے متعلق ہمارا علم قیاسی ہے اور ہمارا قیاس حواس پر مبنی ہوتا ہے۔ حواس

کے تاثرات کے بدلنے سے خواہ اس کا کوئی سبب خارج میں ہو یا نہ ہو، ہمارا علم بدل جاتا ہے۔ اس لئے کوئی شخص کائنات کے متعلق تو کہہ سکتا ہے کہ اس کی کوئی حقیقت نہیں اور زمین اور آسمان درحقیقت موجود نہیں ہیں یا ان کی حیثیت ایک ایسے خواب یا وہم سے زیادہ نہیں جو خالق کائنات کی ہستی کے لئے ایک پردہ کا کام دے رہا ہے لیکن کوئی شخص خودی کے متعلق یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس کی کوئی حقیقت نہیں اور وہ ایک وہم ہے۔ خودی کا وجود محسوس دنیا، خارجی دنیا یا مادی دنیا کی چیز نہیں یہی سبب ہے کہ ہمارے حواس اور ہمارے قیاسات اس کو جاننے کا وسیلہ نہیں بنتے۔

فروغ دانش ما از قیاس است　　قیاس ما ز تقدیر حواس است
چو حس دیگر شد ایں عالم دگر شد　　سکون و دیر و کیف و کم دگر شد
توان گفتن جہاں رنگ و بو نیست　　زمین و آسمان و کاخ و کو نیست
خودی از کائنات رنگ و بو نیست　　خواس ما جہان ما و او نیست

اگر کوئی کہے کہ ہمیں اپنی خودی کے وجود کا دھوکا یا وہم ہو رہا ہے اور درحقیقت ایسی کوئی چیز موجود نہیں جو اپنے آپ کو ''میں'' کہہ سکتی ہو تو اس سے ہم پوچھ سکتے ہیں کہ اس دھوکے یا وہم کا علم یا احساس کس کو ہو رہا ہے؟ اگر اس دھوکے یا وہم کا علم یا احساس ایک حقیقت ہے اور خود ایک دھوکا اور وہم نہیں تو وہ چیز کیونکر ایک دھوکا یا وہم ہو سکتی ہے جس کو یہ علم یا احساس ہو رہا ہے اور یہی چیز خودی ہے جو اپنے آپ کو ''من'' کہتی ہے۔

اگر گوئی کہ 'من' وہم و گمان است　　نمودش چوں نمود ایں و آن است
بگو با من کہ دارائے گمان کیست　　یکے در خود نگر آں بے نشاں کیست

یہ بات کس قدر عجیب ہے کہ خارج کی دنیا تو آشکار موجود ہو لیکن اس کے باوجود اس کا وجود مشکوک اور دلیل اور ثبوت چاہتا ہو اور اس کے اسرار و رموز پر کوئی جبریل بھی حاوی نہ ہو سکے اور خودی نظروں سے اوجھل ہو اور اس کے باوجود اس کا ہونا یقینی ہو اور ثبوت یا دلیل سے بے نیاز ہو بلکہ تمام دعاوئ اور مسائل اور تمام براہین اور دلائل اس کے ہونے پر مبنی ہوں۔ اس سے زیادہ خودی کے حقیقی ہونے کا ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے لہٰذا خودی حق ہے اور باطل نہیں، وہ موجود ہے اور غیر موجود نہیں اور اس کا وجود بے مقصد اور بے سود نہیں۔

جہان بیدا و محتاج دلیلے　　نمی آید بفکر جبرئیلے
خودی پنہاں ز حجت بے نیاز است　　یکے اندیش ودریاب ایں چہ راز است
خودی را حق بداں باطل پندار　　خودی را کشت بے حاصل پندار

زمان ومکان سے بے نیازی

اس کے باوجود کہ خودی انسان کے جسد عنصری میں جاگزین ہے جو سلسلہ لیل ونہار کی پابندیوں سے گھرا ہوا ہے، وہ خود زمان ومکان کی حدود و قیود سے آزاد ہے کیونکہ وہ اپنے خیال کے ذریعے سے اِدھر ماضی اور مستقبل کی انتہاء تک اور ادھر کائنات کے دور دراز گوشوں تک جہاں روشنی بھی کروڑوں برس میں آتی ہے، آن واحد میں جا پہنچتی ہے۔

بخاک آلود و پاک از مکان است　　بہ بند روز وشب پاک از زمان است
خیال اندر کف خاکے چناں است　　کہ سیرش بے مکان و بے زمان است

چونکہ ہم خودی کو کسی حالت میں بھی نہ ان آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں اور نہ ہاتھوں سے چھو سکتے ہیں اور غیر کی خودی اپنی خودی نہیں ہوتی کہ ہم حواس کی مدد کے بغیر براہ راست اسے دیکھ سکیں ہم غیر کی خودی کا علم خواہ وہ خودی خدا کی ہو یا انسان کی، فقط اس کے مظاہر اور اثرات اور اعمال وافعال کے مطالعہ سے ہی حاصل کر سکتے ہیں۔

خودی ایک نورانی قوت یا قوتِ نور ہے

خودی ایک نور ہے لیکن مادی روشنیوں میں سے کوئی روشنی ایسی نہیں جو اس کی مماثل ہو اور پھر خودی ایک قوت ہے لیکن مادی قوتوں میں سے کوئی قوت ایسی نہیں جس کے ساتھ اس کو مشابہت دی جا سکے۔ یہی وہ نورانی قوت یا قوتِ نور ہے جس کا انسان میں اور دنیا کی ہر چیز میں ظہور ہے۔ یہی زندگی ہے۔

وا نمودن خویش را خوئے خودیست　　خفتہ در ہر ذرّہ تیروئے خودیست
نکتہ نوری کہ نامِ اُو خودیست　　در وجود ما شرار زندگی است

اقبال کے الفاظ میں خودی ''شعور کا وہ روشن نکتہ ہے جس سے تمام انسانی تخیلات و

جذبات وتمنیات متمیّز ہوتے ہیں وہ یہ ایک لازوال حقیقت ہے جو فطرتِ انسانی کی منتشر اور غیر محدود کیفیتوں کی شیراز بند ہے۔'' اور اس کا ایک خاصا یہ ہے کہ وہ عمل اور خودنمائی کے لئے بےتاب رہتی ہے۔ ؎

قوت خاموش و بے تاب عمل از عمل پابند اسباب و علل

مشکلات پر غالب آنے کی خواہش خودی کا خاصہ ہے

لفظ خودی کی اس تشریح سے ظاہر ہے کہ اقبال نے اس لفظ کو استعمال انگریزی لفظ SELF-CONSCIOUSNESS یا SELF کا جو مدت سے فلسفہ کی ایک اصطلاح کے طور پر استعمال ہو رہا ہے، فارسی یا اُردو ترجمہ کیا ہے؟ لیکن افسوس ہے کہ خودی کی اس سادہ اور معروف فلسفیانہ اصطلاح کو سمجھنے میں بالعموم اقبال کے ایسے معتقدین کو بھی دِقت پیش آئی ہے جو اس کے بہت قریب رہے ہیں اس کی وجہ ایک تو یہ ہے کہ خودی کا لفظ اب تک فارسی اور اُردو میں ایک اور معنوں میں استعمال ہوتا رہا ہے یعنی خود پرستی، خودمختاری، خودسری، خودرائی، خودپسندی، خودغرضی، غرور نخوت اور تکبر کے معنوں میں اور دوسری وجہ یہ ہے کہ خود اقبال نے بھی اپنی قوم کی موجودہ حالت کے پیش نظر خودی کی گوناگوں فطری صفات میں سے اس صفت پر خاص زور دیا ہے جس کا ایک پہلو خودنمائی یا حب استیلاء یا حب تفوق (SELF-ASSERTION) ہے۔ ؎

زندگانی قوت پیداستے اصل او از ذوق استیلاستے

اس صفت کی رُو سے خودی ایک مقصد کا تصور کرتی ہے پھر اس مقصد کے حصول کے لئے اپنی پوری قوتِ سعی و عمل صرف کرتی ہے اس عمل سے اسے اپنے مقصد میں حائل ہونے والی مخالف قوتوں پر غلبہ حاصل ہوتا ہے اور وہ اپنے آپ کا یعنی اپنی قوتوں کا اظہار کرتی ہے اور اس خود اظہاری یا ''وانمودن خویش'' سے اسے اطمینان حاصل ہوتا ہے۔ اس بنا پر بعض لوگوں کو یہ غلط فہمی ہوئی ہے کہ خودی کی فلسفیانہ اصطلاح روزمرہ کی زبان میں استعمال ہونے والے لفظ خودی کے ساتھ معنی کا اشتراک رکھتی ہے۔ ان کا خیال ہے کہ اقبال کے نزدیک جذبہ خودنمائی یا ذوقِ استیلاء کے جائز اور ناجائز استعمال میں کوئی خاص خوبی ہے اور اقبال کی تعلیم یہی ہے کہ جس طرح سے ممکن ہو اس جذبہ کا اظہار کیا جائے۔ یہ بات قطعاً غلط ہے اس کی وجہ پوری تفصیل کے ساتھ تو آگے چل کر بیان کی

جائے گی لیکن یہاں اس غلط فہمی کو رفع کرنے کے لئے دوگزارشات ضروری ہیں ایک تو یہ کہ خودی کے مقاصد اچھے بھی ہوتے ہیں اور برے بھی اور صحیح بھی ہوتے ہیں اور غلط بھی، جدوجہد یا عمل سے خودی کو مستقل اور مکمل اطمینان (جو اس کی پیہم ترقی اور ترفع کا ضامن ہے) اسی صورت میں حاصل ہوتا ہے جب اس کا مقصد اس کی فطرت کے مطابق ہو۔ غلط مقصد کی پیروی سے خودی کو عارضی تسلی ہوتو ہو لیکن آخر کار اسے بے اطمینانی اور ناکامی کا احساس ہوتا ہے ایسی صورت میں اس کی جدوجہد آخر کار خود اس کے اندرونی فطرتی مقصد کو شکست دے دیتی ہے۔ اور دوسری گزارش یہ ہے کہ عمل یا جدوجہد احساس مدعا کا لازمی نتیجہ ہے اور خودی ہر آن کوئی نہ کوئی مدعا اچھا یا برا، صحیح یا غلط رکھنے پر مجبور ہے اور لہٰذا ہر وقت عمل یا جدوجہد کرنے پر بھی مجبور ہے۔ غلط مدعا غلط عمل پیدا کرتا ہے اور صحیح مدعا صحیح عمل پیدا کرتا ہے۔ اقبال صرف اسی عمل کی تلقین کرتا ہے جو خودی کی فطرت سے مطابقت رکھتا ہے اور لہٰذا صحیح ہو اور اس کے نزدیک صحیح مدعا اور لہٰذا صحیح عمل فقط مردِ مؤمن کا امتیاز ہے۔ گویا اقبال نے جو عملی جدوجہد اور خودنمائی پر زور دیا ہے اس کی بنیادی شرط یہ ہے کہ ہم اپنے مقصد یا مدعا کو درست کریں اور اسی کو وہ یقین محکم یا ایمان کہتا ہے، اگر مدعا نقائص سے پاک اور شکوک وشبہات سے آزاد ہو کر درست ہو جائے تو وہ ایک طاقتور عزم یا ارادہ عمل بن جاتا ہے۔

اقبال کی وضاحت

اقبال نے خود اس بات کی وضاحت کر دی ہے کہ خودی سے اس کی مراد غرور یا تکبر نہیں چنانچہ اسرارِ خودی کے دیباچہ میں اس نے لکھا ہے۔

> ''ہاں لفظ خودی کے متعلق ناظرین کو آگاہ کر دینا ضروری ہے کہ یہ لفظ اس نظم میں بمعنی غرور استعمال نہیں کیا گیا جیسا کہ عام طور پر اُردو میں مستعمل ہے اس کا مفہوم محض احساس نفس یا یقین ذات ہے۔''

قاضی نذیر احمد کے نام اپنے ایک مکتوب میں لکھا ہے:

> ''اسرارِ خودی اور رموزِ بے خودی دونوں کا موضوع یہی مسئلہ خودی ہے ان کتابوں کے پڑھنے سے آپ کو اطمینان ہو جائے گا کہ اگر ان دونوں میں یا کسی اور کتاب میں آپ کو کوئی ایسا شعر ملے جس میں خودی کا مفہوم تکبر یا نخوت لیا گیا ہو تو اس سے

مجھے آگاہ کیجیے۔''

مطلب یہ تھا کہ میں نے اپنی کسی کتاب میں بھی لفظ خودی کو تکبر یا نخوت کے معنوں میں استعمال نہیں کیا۔ نیٹشے (NIETZCHE) پر اقبال کے ہاتھ کا لکھا ہوا ایک نوٹ اقبال اکادمی کے پاس محفوظ ہے اس نوٹ میں لفظ خودی کی تشریح کرتے ہوئے اقبال نے لکھا ہے:

''لفظ خودی کو بڑی مشکل سے اور بادل نخواستہ چنا گیا ہے ادبی نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو اس کے اندر بہت سی خامیاں ہیں اور اخلاقی نقطہ نظر سے اسے اُردو اور فارسی دونوں زبانوں میں ہمیشہ برے معنوں میں ہی استعمال کیا جاتا رہا ہے اور دوسرے الفاظ میں جو ''میں'' کی مابعد الطبیعیاتی حقیقت کو بیان کرنے کے لئے استعمال کیے جاسکتے ہیں۔ اتنے ہی ناموزوں ہیں مثلاً اَنا، شخص، نفسانیت، انانیت۔

ضرورت دراصل اس بات کی ہے کہ ''میں'' یا ''ایغو'' کے لئے ایک ایسا لفظ مل جائے جو بے رنگ ہو اور کسی اخلاقی مفہوم کے بغیر ہو، جہاں تک مجھے معلوم ہے فارسی یا اُردو میں کوئی ایسا لفظ موجود نہیں، فارسی لفظ ''من'' بھی اتنا ہی ناموزوں ہے۔ تاہم شعر کی ضروریات کا لحاظ کرتے ہوئے میں نے سمجھا کہ لفظ خودی سب سے زیادہ موزوں ہے۔ فارسی زبان میں کسی قدر اس بات کی شہادت بھی موجود ہے کہ لفظ خودی ایغو کے سادہ مفہوم یعنی ''من'' کے بے رنگ معنوں میں استعمال کیا گیا ہے گویا مابعد الطبیعیاتی نقطہ نظر سے خودی کا لفظ ''من'' کے اس ناقابل بیان احساس کے لئے استعمال کیا گیا ہے جو ہر فرد انسان کی بے مثل انفرادیت کی بنیاد ہوتا ہے، مابعد الطبیعیاتی طور پر اس لفظ کا کوئی مفہوم ایسے لوگوں کے لئے نہیں جو اس کے اخلاقی مفہوم سے نجات نہیں پاسکتے میں زبورِ عجم میں پہلے کہہ چکا ہوں۔

گرفتم ایں کہ شرابِ خودی بسے تلخ است
بدرد خویش نگر زہر ما بدرمان کش

(ترجمہ) خودی کی شراب بے شک تلخ ہے لیکن اپنے مرض پر نگاہ رکھو اور اپنی صحت کی خاطر میرے زہر کو پی لو۔

جب میں نفی خودی کی مذمت کرتا ہوں تو میرا مطلب اس سے اخلاقی معنوں میں ایثار یا نفس کشی کی مذمت نہیں ہوتا۔نفی خودی کی مذمت سے میں ایسے افعال کی مذمت کرتا ہوں جن کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ''میں'' کو ایک مابعد الطبیعیاتی قوت کی حیثیت سے مٹا دیا جائے کیونکہ اسے مٹانے کے معنی یہ ہیں کہ اس کے اجزا بکھر جائیں وہ حیات بعد ممات کے قابل نہ رہے۔ جہاں تک میں سمجھ سکتا ہوں اسلامی تصوف کا نصب العین خودی کو مٹانا نہیں، اسلامی تصوف میں فنا سے مراد انسانی ایغو کا مٹانا نہیں بلکہ اس کا مکمل طور پر خدا کی ذات کے سپرد کر دینا ہے۔ اسلامی تصوف کا نصب العین ایک ایسا مقام ہے جو فنا کے مقام سے بھی آگے ہے یعنی مقام بقا جو میرے نقطہ نظر سے اثبات خودی کا بلند ترین مقام ہے، جب میں کہتا ہوں ''لعل کی طرح سخت ہو جاؤ'' تو میری مراد نیٹشے کی طرح یہ نہیں ہوتی کہ بے رحم اور بے درد ہو جائے بلکہ یہ ہوتی ہے کہ خودی کے عناصر کو مجتمع کرو تا کہ وہ بعد از مرگ زندہ رہنے کے لئے فنا کا مقابلہ کر سکے۔

اخلاقی نقطہ نظر سے لفظ خودی (جیسا کہ اسے میں نے استعمال کیا ہے) کا مطلب ہے خود اعتمادی، خودداری، اپنی ذات پر بھروسہ، حفاظت ذات بلکہ اپنے آپ کو غالب کرنے کی کوشش جبکہ ایسا کرنا زندگی کے مقاصد کے لئے اور صداقت انصاف اور فرض کے تقاضوں کو پورا کرنے کی قوت کے لئے ضروری ہو اس قسم کا کردار میرے خیال میں اخلاقی ہے کیونکہ وہ خودی کو اپنے قویٰ کے مجتمع کرنے میں مدد دیتا ہے اور اس طرح تخیل اور انتشار کی قوتوں کے خلاف خودی کو سخت کر دیتا ہے عملی طور پر مابعد الطبیعیاتی ایغو دو بڑے حقوق کا علم بردار ہے اوّل زندہ رہنے کا حق اور دوم آزاد رہنے کا حق جیسا کہ خداوندی قانون نے مقرر کیا ہو۔''

خودی ذہنی کیفیتوں کو منظّم کرتی ہے

خودی کے اوصاف میں سے ایک وصف یہ ہے کہ وہ ہماری ذہنی حالتوں میں وحدت پیدا کرتی ہے اقبال نے لکھا ہے:

''خودی ذہنی حالتوں کی ایک وحدت کی صورت میں اپنے آپ کو ظاہر کرتی ہے ذہنی حالتیں ایک دوسرے سے الگ تھلگ نہیں ہوتیں وہ ایک دوسرے کو شامل ہوتی ہیں اور حقیقتاً ایک دوسرے کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں وہ ایک مرکب کل کی جسے ہم ذہن کہتے ہیں بدلی ہوئی کیفیتوں کے طور پر ہوتی ہیں آپس میں تعلق رکھنے والی ان حالتوں کی وحدت یا یوں کہیے کہ واقعات کی عضویاتی وحدت ایک مخصوص طرز کی وحدت ہوتی ہے یہ ایک مادی شے کی وحدت سے بنیادی طور پر مختلف ہوتی ہے کیونکہ ایک مادی چیز کے اجزا ایک دوسرے سے الگ تھلگ رہ سکتے ہیں، ذہنی وحدت قطعی طور پر بے مثال ہے ہم نہیں کہہ سکتے کہ میرا فلاں اعتقاد میرے دوسرے اعتقاد کے دائیں یا بائیں طرف پڑا ہے اور نہ ہی یہ کہنا ممکن ہے کہ روضہ تاج محل کے حسن کا احساس جو میرے دل میں ہے آگرہ سے میری دوری کی نسبت سے بدلتا رہتا ہے، میرا گنجائش کا تصور گنجائش کی دنیا میں گنجائش سے متعلق نہیں ہوتا۔ درحقیقت خودی گنجائش کی ایک سے زیادہ دنیاؤں کا تصور کر سکتی ہے۔ بیدار شعور کی گنجائش اور عالم خواب کی گنجائش آپس میں کوئی تعلق نہیں رکھتیں وہ نہ ایک دوسرے سے مزاحمت کرتی ہیں اور نہ ایک دوسرے پر منطبق ہوتی ہیں جسم کے لئے صرف ایک ہی قسم کی گنجائش ہو سکتی ہے لہٰذا خودی جسم کی طرح گنجائش کی پابند نہیں۔''

خودی کی تنہائی اور انفرادیت

خودی کا ایک اور اہم وصف اس کی تنہائی ہے جس کی وجہ سے ہر خودی بے چگوں اور بے نظیر ہوتی ہے۔ اقبال خودی کے اس وصف کی تشریح کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''ایک خاص نتیجہ پر پہنچنے کے لئے ضروری ہے کہ ایک منطقی قضیہ کے تمام بنیادی مفروضات ایک ہی خودی کے اعتقادات میں شامل ہوں اگر میں اس مسئلہ پر یقین رکھوں کہ تمام انسان فانی ہیں اور ایک اور خودی اس مسئلہ پر یقین رکھتی ہو کہ ارسطو ایک انسان ہے تو اس حالت میں کوئی نتیجہ ممکن نہیں ہوتا۔ نتیجہ اسی صورت میں ممکن ہوتا ہے کہ دونوں مسئلوں پر میں خود یقین کروں پھر کسی چیز کے لئے میری

خواہش بنیادی طور پر میری ہی ہوتی ہے اس کی تشفی سے میری ذاتی تسکین ہوتی ہے اگر اتفاقاً تمام نوع انسانی ایک ہی چیز کی خواہشمند ہو تو ان سب کی خواہش کی تسکین سے بھی میری خواہش کی تسکین نہیں ہوگی جب تک کہ وہ چیز خود مجھے میسر نہ آئے۔ دندان ساز میرے دانت کے درد کے لئے مجھ سے ہمدردی کا اظہار کر سکتا ہے لیکن میرے درد کو محسوس نہیں کر سکتا میری راحتیں، میری کلفتیں اور میری خواہشیں فقط میری ہی ہوتی ہیں اور میری ہی مخصوص خودی کے اجزا و عناصر شمار کی جاسکتی ہیں جب میرے لئے عمل کی ایک سے زیادہ راہیں کھلی ہوئی ہوں تو ان میں سے ایک راہ کو اختیار کرنے کے لئے مجھے ہی محسوس کرنا، فیصلہ کرنا یا انتخاب کرنا پڑتا ہے۔ خود خدا بھی ظاہری طور پر اور براہ راست میرے لئے یہ کام نہیں کرتا۔ اسی طرح سے آپ کو پہچاننے کے لئے ضروری ہے کہ میں ماضی میں آپ سے متعارف ہو چکا ہوں میرا کسی مقام یا شخص کو پہچان لینا میرے اپنے ماضی کے کسی تجربہ کی بنا پر ہی ہوسکتا ہے اور کسی دوسری خودی کے ماضی کے تجربہ کی بنا پر نہیں ہوسکتا اپنی ذہنی حالتوں کے اس عجیب و غریب باہمی تعلق کو ہم فقط ''میں'' کے لفظ سے ظاہر کرتے ہیں اور یہی وہ مقام ہے جہاں نفسیات کا سب سے بڑا عقدہ ہمارے سامنے نمودار ہونے لگتا ہے۔ اس ''میں'' کی حقیقت کیا ہے۔''

خودی کے اوصاف

خودی کوئی ایسی چیز نہیں جو مکان (SPACE) میں کہیں پڑی ہوئی ہو بلکہ اس کی اصل ایک فعلیت ہے وہ انسان کے فکر و عمل کی ایک قوت ہے جو ایک مقصد اختیار کرتی ہے اور جس کا مقصد انسان کے افعال کو مربوط کرنا ہے اور ان کے اندر ایک وحدت پیدا کرنا ہے۔ یہ انسان کی وہی اندرونی قوت ہے جو فیصلے کرتی ہے اندازے قائم کرتی ہے معلومات حاصل کرتی ہے انسان کے رجحانات فکر و عمل طے کرتی ہے اور اس کی آرزوؤں اور اُمیدوں کا اور اس کے عزائم اور مقاصد کا اور اس کے اندرونی احساسات و جذبات کا سرچشمہ ہے۔ اقبال لکھتے ہیں:

''جہاں اندرونی احساس موجود ہو وہاں خودی گویا اپنا کام کر رہی ہے خود خودی

کو ہم اس وقت جانتے ہیں جب وہ کچھ معلوم کر رہی ہو، فیصلہ کر رہی ہو یا عزم کر رہی ہو، خودی یا روح کی زندگی ایک قسم کا تناؤ ہے جو اس وقت پیدا ہوتا ہے جب خودی اپنے ماحول پر اثر انداز ہو رہی ہو اور ماحول خودی پر اثر انداز ہو رہا ہو، خودی باہمی اثر اندازی کے اس میدان سے باہر کھڑی نہیں رہتی بلکہ اس کے اندر ایک حکمران قوت کی حیثیت سے موجود رہتی ہے اور اپنے تجربات کے ذریعہ سے اپنی تعمیر اور تربیت کرتی ہے اور اس موضوع پر قرآن کا ارشاد واضح ہے

وَ یَسۡـَٔلُوۡنَکَ عَنِ الرُّوۡحِ قُلِ الرُّوۡحُ مِنۡ اَمۡرِ رَبِّیۡ وَ مَاۤ اُوۡتِیۡتُمۡ مِّنَ الۡعِلۡمِ اِلَّا قَلِیۡلًا ○ (یہ لوگ آپ سے روح کے متعلق سوال کرتے ہیں۔ کہیے، روح خدا کے حکم کی پیداوار ہے اور تم لوگ کم ہی علم دیے گئے ہو)

لفظ امر کا مطلب سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ قرآن نے خلق اور امر کے درمیان جو فرق کیا ہے ہم اس کی طرف رجوع کریں خلق کے معنی ہیں پیدا کرنا اور امر کے معنی ہیں حکم کرنا جیسا کہ قرآن میں ہے لَهُ الۡخَلۡقُ وَ الۡاَمۡر (اسی کے لئے ہے پیدا کرنا بھی اور حکم کرنا بھی)۔

اُوپر نقل کی ہوئی آیت کا مطلب یہ ہے کہ روح کی بنیادی فطرت حکم ہے کیونکہ وہ خدا کی حکمران قوت سے پیدا ہوتا ہے اگرچہ ہم یہ نہیں جانتے کہ کس طرح سے خدا کا حکم ان وحدتوں کی شکل میں ظہور پذیر ہوتا ہے جن میں سے ہر ایک ایک خودی ہے۔ ضمیر متکلم جو لفظ رَبِّیۡ میں ہے خودی کی فطرت اور اس کے کردار پر مزید روشنی ڈالتی ہے اس میں یہ اشارہ موجود ہے کہ روح کو ایک ایسی چیز سمجھا جائے جو منفرد اور معین ہو ان تمام اختلافات کے سمیت جو اس کی وسعت میں، اس کے توازن میں اور اس کی وحدت کی اثر اندازی میں پائے جاتے ہیں۔

کُلٌّ یَّعۡمَلُ عَلٰی شَاکِلَتِهٖ فَرَبُّکُمۡ اَعۡلَمُ بِمَنۡ هُوَ اَهۡدٰی سَبِیۡلًا (ہر شخص اپنے طریق پر کام کرتا ہے اور تمہارا پروردگار خوب جانتا ہے کہ کون ہے جس کی راہ سب سے زیادہ صحیح ہے)

اس طرح سے میری اصل شخصیت ایک چیز نہیں بلکہ ایک فعل قرار پاتی ہے میرا تجربہ ایسے افعال کا ایک سلسلہ ہے جو آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں اور جن کو ایک حکمران مقصد کی وحدت ایک دوسرے کے ساتھ وابستہ کیے ہوئے ہے میری ساری حقیقت میرے حکمران جذبہ فکر و عمل کے اندر موجود ہے آپ میرا تصور اس طرح سے نہیں کر سکتے کہ گویا میں کوئی چیز ہوں جو فاصلہ کے اندر کہیں پڑی ہے یا گویا میں مادی دنیا کے اندر موجود تجربات کا ایک سلسلہ ہوں بلکہ آپ کو چاہئے کہ ''آپ میری تشریح''، تفہیم یا تعریف میرے اندازوں اور فیصلوں کی بنا پر، میرے رجحانات فکر و عمل کی بنا پر، میرے عزائم اور مقاصد اور میری آرزوؤں اور اُمیدوں کی بنا پر کریں۔'' (ضمناً اس اقتباس سے یہ بات بھی آشکار ہو جاتی ہے کہ جس چیز کے لئے قرآن نے روح کا لفظ استعمال کیا ہے اسی کو اقبال خودی کہتا ہے۔)

خودی مادہ سے پیدا نہیں ہوئی

مغرب کے بعض حقیقت ناشناس حکماء نے یہ سمجھا ہے کہ انسان کا شعور یا اس کی خودی فقط مادہ کی ایک ترقی یافتہ حالت کا وصف ہے جب مادہ کے ذرات ترقی کر کے حیوان کے دماغ کی صورت میں ایک خاص قسم کی طبیعیاتی ترتیب اور کیمیائی ترکیب حاصل کر لیتا ہے تو اس میں شعور کا جوہر پیدا ہو جاتا ہے اور جب یہ ترتیب اور ترکیب ختم ہو جاتی ہے تو یہ جوہر بھی ختم ہو جاتا ہے۔ اقبال ایسے حکماء مادیین سے یکسر اختلاف کرتا ہے جو لوگ ان کی پیروی کرتے ہیں وہ کیسے سمجھ سکتے ہیں کہ اس زندگی کے بعد ایک اور زندگی بھی ہو سکتی ہے لہٰذا وہ ہمیشہ موت کے خوف میں مبتلا رہتے ہیں اور جب تک وہ مر نہیں جاتے ممکن نہیں کہ وہ موت کے غم سے نجات پا سکیں، چنانچہ اقبال مادہ پرست حکیم کے پیرو سے خطاب کر کے کہتا ہے۔

؎ تیری نجات غم مرگ سے نہیں ممکن
کہ تو خودی کو سمجھتا ہے پیکر خاکی

اقبال کے نزدیک خودی مادہ کی کسی ترقی یافتہ حالت کا نام نہیں بلکہ مادہ کی ہر حالت کا وجود اس کا مرہونِ منت ہے وہ مادہ سے پیدا نہیں ہوئی بلکہ اس نے مادہ کو پیدا کیا ہے روح کی

خاصیت یہ ہے کہ وہ خدا کی محبت کی شراب سے مست ہوتی ہے گویا روح مے محبت ہے اور انسانی جسم جو مادہ یا خاک سے بنا ہے اس مے کا ساغر ہے۔ اقبال ان لوگوں سے جو مدت سے جسم اور جان کے باہمی تعلق کے متعلق الجھن میں پڑے ہیں اور نہیں جانتے کہ آیا روح جسم (خاک تیرہ) سے ہے یا جسم روح سے' خطاب کر کے کہتا ہے کہ اصل مشکل یہ نہیں کہ مے ساغر سے ہے یا ساغر مے سے یعنی روح جسم سے ہے یا جسم روح سے بلکہ یہ کہ ساغر مے سے کیسے بھرا جائے یعنی محبت کا کمال جو روح کی بالیدگی کے لئے ضروری ہے کیسے حاصل کیا جائے۔ تاہم یوں سمجھ لینا چاہئے کہ جان کا تعلق بدن سے ایسا ہی ہے جیسا کہ معنی کا حرف سے جان یا روح معنی ہے اور جسم حرف' جان تن کا جامہ اس طرح سے اُوڑھ لیتی ہے جس طرح سے انگارہ اپنے ہی خاکستر سے قبا تیار کر کے اوڑھ لیتا ہے۔ معنی نے حرف اپنے اظہار کے لئے ایجاد کیا ہے اور انگارہ نے بھی اپنا قباء خاکستر خود تیار کیا ہے جس طرح حرفِ معنی سے پیدا ہوتا ہے معنی حرف سے پیدا نہیں ہوتا اور خاکستر انگارہ سے بنتا ہے انگارہ خاکستر سے نہیں بنتا اسی طرح سے انسان جسم اپنی جبلتوں یا حیوانِ قسم کی خواہشوں سے سمیت خودی سے پیدا ہوتا ہے اور خودی جسم سے پیدا نہیں ہوتی:

؎ عقل مدت سے ہے اس پیچاک میں الجھی ہوئی
روح کس جوہر سے خاک تیرہ کس جوہر سے ہے
میری مشکل مستی و سوز و سرور و درد و داغ
تیری مشکل مے سے ہے ساغر کہ مے ساغر سے ہے
ارتباط حرف و معنی اختلاط جان و تن
جس طرح اخگر قبا پوش اپنی خاکستر سے ہے

(جاری ہے)

شَاکِلَة کا مفہوم

قُلْ کُلٌّ یَّعْمَلُ عَلٰی شَاکِلَتِہٖ

(سورۃ بنی اسرائیل آیت 84)

حافظ محمد مشتاق ربانی

سورۃ بنی اسرائیل کی آیت 84 میں لفظ شَاکِلَة استعمال ہوا ہے۔اس لفظ کے کئی معنی ومفاہیم بیان کیے گئے ہیں ۔جیسے: طور طریقہ، سلیقہ، طبیعت، طبیعت کا میلان، خلقت، فطرت، جبلت، عادت، نہاد، نیت، دین، تہذیب یہ تمام مفاہیم تفاسیر اور معاجم میں بیان ہوئے ہیں۔ بعض مفاہیم ومعانی متقارب ہیں۔ البتہ یہ فیصلہ کرنا نہایت دشوار ہے کہ کون سا مفہوم آیت کا اصل مدعا ہے۔صحیح مفہوم کے تعین کے لئے اس مقام پر ایک ہی صورت نظر آتی ہے کہ جس آیت میں یہ کلمہ وارد ہوا ہے اس کے سیاق وسباق اور اس کے پس منظر کا مطالعہ کیا جائے گا۔

آیت کے پس منظر کو دیکھا جائے تو اس سے ذرا قبل قرآن کریم کا ذکر ہوا کہ وہ شفا اور مؤمنین کے لئے باعث رحمت ہے۔یعنی اس قرآن سے جہالت، الحاد، نفاق، زیغ اور شک کا ازالہ ہوتا ہے۔اس کے بعد بیان ہوا کہ جب ہم انسان پر انعامات کرتے ہیں تو وہ اللہ سے اپنے آپ کو دور رکھتا ہے، اُس کو بھلا دیتا ہے اور جب اسے کوئی شر پہنچتا ہے تو وہ اللہ کی رحمت سے ناامید ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد یہ مضمون محذوف ہے کہ جو مومن ہوتے ہیں اللہ کی رحمت سے ناامید نہیں ہوتے ہیں، مصیبت کے وقت صبر کرتے ہیں اور خوشی اور خوشحالی کے موقع پر شکر ادا کرتے ہیں۔اس کے بعد وہ آیت ہے جس میں وہ لفظ آیا ہے جو ہمارے زیر بحث ہے۔گویا وہ آیت جس میں شاکلة وارد ہوا ہے، اس کا اپنی ماقبل کی آیت کے ساتھ بہت ہی گہرا تعلق ہے۔اپنی بعد والی آیت سے بھی جدا نہیں

ہے۔آیت 85 میں روح کا ذکر ہے اس کا تعلق اللہ کے امر سے ہے۔اس پس منظر اور سیاق وسباق کو سامنے رکھا جائے تو محسوس ہوتا ہے کہ اس میں تمام طرح کے انسانوں کے اعمال کی کیفیت ونوعیت کا ذکر ہے وہ عمل اچھا بھی ہوسکتا ہے اور برا بھی۔بہر حال یہ واضح ہے کہ شَـاكِـلَة کا ذکر عمل کے ساتھ بیان ہوا ہے ایک کافر اپنے انداز میں عمل کرتا ہے۔ایک فاجر اپنے ڈھنگ سے،منافق اپنے مطابق۔

اسی طرح مؤمن اور طالبِ آخرت کا اپنا ایک انداز ہے۔امام قرطبی نے اس آیت کے بارے میں لکھا ہے کہ "هـذا ذمّ للكافر و مدح للمؤ من" اس آیت سے کفار کہ مذمت بیان کی جارہی ہے اور اہل ایمان کی مدح بیان ہوئی ہے۔کفار سے ایک دوسرے مقام پر کہا گیا: ﴿قُـلْ يٰـقَوْمِ اعْمَلُوا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ﴾ (الانعام135) ''کہہ دیجیے،اے میری قوم تم اپنی جگہ عمل کیے جاؤ۔'' جو تم نے کفر کا راستہ اختیار کیا ہوا ہے اور تم اسے درست سمجھتے ہو تو اس پر چلتے رہو اس کے نتائج تم خود ہی دیکھو گے۔اس میں انھیں وعید سنائی جارہی ہے۔

مسلمانوں کے نیکی کے راستے پر چلنے میں نمایاں فرق ہے۔بعض خطا کار ہیں۔کچھ معتدل انداز میں چلتے ہیں، جو فرائض کی ادائیگی پر زیادہ توجہ دیتے ہیں حرام کاموں سے اجتناب کرتے ہیں اور بعض نیکیوں میں بہت آگے بڑھ جاتے ہیں۔﴿فَـمِـنْهُـمْ ظَـالِمٌ لِّنَفْسِهٖ وَ مِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ وَ مِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ (فاطر:23) ''کچھ تو ان میں سے اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں اور کچھ تو میانہ رو ہیں اور کچھ اللہ کے حکم سے نیکیوں میں آگے نکل جانے والے ہیں۔''

مسلمانوں کا فہم اسلام بھی ایک جیسا نہیں ہے۔بہت سے معاملات میں فہمی اختلافات ہیں۔ہر ایک کے پاس دلائل ہیں۔اسی طرح بعض حضرات بنیادی فرائض کے ساتھ ساتھ اقامت دین، جہاد وقتال کے ذریعے اللہ کا قرب اور رضا چاہتے ہیں اور بعض صرف بنیادی ارکان پر ہی عمل کرنا نجات سمجھتے ہیں۔اصل بات تو اوّل الذکر ہی ہے کہ شریعت کے نفاذ کے لئے کوشش کی جائے۔البتہ یہ بات طے ہے کہ انسان مختلف صلاحیتوں کے مالک ہوتے ہیں ان کی صلاحیتوں کے مطابق ان سے مؤاخذہ ہوگا۔ایک بدو نے آنحضور ﷺ سے پوچھا کہ نجات کا طریقہ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے اس کے جواب میں ارکان اسلام بیان کیے۔وہ بدو کہنے لگا: (و اللّٰـه لاازيـد و لاانـقص) ''اللہ کی قسم میں نہ ان پر اضافہ کروں گا اور نہ ان اعمال میں کمی

کروں گا۔'' آپ ﷺ نے باقی صحابہ کرام ؓ کو مخاطب ہو کر فرمایا جو کوئی نجات یافتہ شخص دیکھنا چاہتا ہے وہ اس شخص کو دیکھ لے۔ اس سے پتہ چلا کہ دین اسلام میں نجات کے لئے کئی راستے ہیں۔ ایک جامع راستہ وہ ہے جو سورۃ العصر میں بیان ہوا ہے جو ان چار شرائط کو پورا کرے گا وہ خسارے سے بچ جائے گا۔ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی وسعت کو دیکھ کر انہیں مختلف امور کا مکلّف ٹھہرایا ہے۔ ارشاد ہے: ﴿لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا﴾ (البقرہ 286) ''اللہ کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا ہے۔''

انسانوں کے مزاجوں اور طبیعتوں میں بھی فرق ہے۔ سورۃ بنی اسرائیل جس میں لفظ **شاکلۃ** وارد ہوا ہے اس میں نفس انسانی کے کئی اوصاف آئے ہیں بعض اوصاف ایجابی انداز میں بیان ہوئے ہیں۔ حضرت نوح ؑ کے بارے میں ''شکور'' کی صفت بیان ہوئی ہے۔ سورت کے تقریباً اختتام پر بیان ہوا ہے کہ بعض ایسے پاکیزہ نفوس ہیں جب ان پر قرآن کی آیت تلاوت کی جاتی ہے تو وہ فوراً عاجزی کے ساتھ سجدے میں گر جاتے ہیں۔ بعض اوصاف سلبی انداز میں بیان ہوئے ہیں کہ انسان عجول، کفور، یئوس اور قنوط رہونے کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ ان اوصاف کا انسان کے عمل سے براہِ راست تعلق ہے۔ ان کا عمل ان اوصاف سے جدا نہیں ہوسکتا ہے۔ انسان کے بعض اوصاف جبلی اور فطری ہوتے ہیں۔ انسانوں کی طبائع میں اختلاف بھی فطری ہے۔ ان کے مزاج ایک دوسرے سے جدا ہوتے ہیں۔ حضرت ابوبکر ؓ کا اپنا ایک مزاج تھا۔ آنحضور کی رحلت پر ان کا متوازن ایک طرز عمل تھا۔ سیدنا عمر فاروق ؓ کی اپنی ایک طبیعت تھی۔ آپ ﷺ کے وصال پر ان کا ایک جذباتی رویہ سامنے آیا۔ یوں انسانوں کے مزاجوں میں فرق ہوتا ہے، جس کا اثر ان کے اعمال پر بھی پڑتا ہے۔

یہ بات واضح ہے کہ انسان کا باطن اگر پاک وصاف ہو تو اس کے عمل پر نہایت اچھے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ ارشاد ہے: ﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَکّٰھَا﴾ (الشّمس:9) جس نے اپنے نفس کو پاک رکھا وہ مراد کو پہنچا۔ ایک دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿وَ الْبَلَدُ الطَّیِّبُ یَخْرُجُ نَبَاتُہٗ بِاِذْنِ رَبِّہٖ وَ الَّذِیْ خَبُثَ لَا یَخْرُجُ اِلَّا نَکِدًا﴾ (الاعراف:58) ''اور پاکیزہ زمین سے اس کا سبزہ اس کے رب کے حکم سے (پاکیزہ ہی) نکلتا ہے اور جو خراب ہے اس سے نہیں نکلتا مگر ناقص۔''

یہاں البلد کو قلوب سے تشبیہ دی گئی ہے یعنی جو پاکیزہ دل ہیں وہ وعظ ونصیحت سے فوراً متاثر ہو جاتے ہیں؛ لہٰذا اچھی طبیعتوں والے لوگوں سے اچھے اعمال ہی صادر ہوتے ہیں اور جنہوں نے اپنی صلاحیتوں کو مسخ کر دیا اور بری عادات میں پڑ گئے تو ان سے اچھے اعمال کیونکر صادر ہوں گے۔

اسی آیت 84 کے بعد وہ آیت ہے جس میں روح کے بارے میں سوال اور پھر اس کا جواب دیا گیا ہے جس کا اس سیاق وسباق سے گہرا تعلق معلوم ہوتا ہے کہ روح 'مِن اَمر رَبّی' ہے۔ اس کی نورانیت کی حفاظت کرنا ہماری اہم ذمہ داری ہے۔ اس روح کا ہم جتنا خیال رکھیں گے ہمارے اعمال میں اس قدر بہتری آئے گی، یہ روح ہی انسانیت کا امتیاز ہے یہی اعمال صالحہ کے صدور کا منبع وسرچشمہ ہے۔

سورۃ بنی اسرائیل کی آیت 84 کا دوسرا حصہ ہے: ﴿فَرَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰى سَبِيْلًا﴾ ''تمہارا پروردگار اس شخص سے خوب واقف ہے جو سب سے زیادہ سیدھے راستے پر ہے''۔ اس بات کا بھی شاکلة کے ساتھ بہت گہرا تعلق ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ کون زیادہ سیدھے راستے پر ہے۔ جو کافر ہیں ان کے بارے میں تو واضح ہے۔ البتہ جو مسلمان ہیں وہ اگر کوئی عمل کر رہے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کے ارادے اور نیت سے بھی باخبر ہیں کہ وہ کس حد تک حالات کے جبر سے مجبور ہیں اور ان کے اعمال ایسے کیوں ہیں۔ کوئی انسان کسی کی نیت سے آگاہ نہیں ہے۔ ان کی نیت کے مطابق ان کو جزا وسزا ملے گی۔ اس لئے فرمایا کہ اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ کون زیادہ ہدایت کے راستے پر ہے۔ اس لئے ہمیں کوئی بھی عمل کرتے ہوئے اپنی نیت کو صاف کر لینا چاہیے آیت کے دوسرے جز ﴿فَرَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰى سَبِيْلًا﴾ سے یہ اخذ نہ کیا جائے کہ اس دنیا میں مختلف مذاہب کے ماننے والے پائے جاتے ہیں، اس کے بارے میں کہنا کہ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ کون صحیح اور کو غلط۔ یہ درست بات نہیں ہے۔ ایسی بات وہ کرتے ہیں جو تشکیک اور ریب کا شکار ہوتے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ اللہ نے زندگی گزارنے کا سلیقہ بتایا ہے۔ جو اس سلیقے پر چلے گا وہ درست راستے پر ہے اور اس سے انحراف کرے وہ ضلال پر ہے۔ وہ ڈھنگ، نہج اور سلیقہ دین اسلام ہے اور یہی "اھدٰی سبیلا" ہے۔

خطبۂ صدارت

شیخ الھند حضرت مولانا **محمود حسن** دیوبندی رحمہ اللہ

جو نیشنل یونیورسٹی کے افتتاح کے وقت پڑھا گیا

(اکتوبر 1920ء)

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم ، حامدًا و مصلیًا امابعد

جلسوں کی عام روش کا اقتضاء یہ ہے کہ میں سب سے پہلے اس عزتِ صدارت پر جو ایک نہایت ہی سرفروشانہ ایثار اور شجاعانہ جدوجہد کرنے والی جماعت کی طرف سے مجھ کو مرحمت ہوئی ہے، شکرگزاری اور منت پذیری کا اظہار کروں۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ یہ شکریہ چند وقیع اور شاندار الفاظ سے ادا نہیں ہوسکتا اور نہ مجھ کو محض رسمی اور مصنوعی ممنونیت کی نمائش اس بھاری ذمہ داری کے بوجھ سے سبکدوش کرسکتی ہے جو فی الحقیقت آپ نے اس عزت افزائی کے ضمن میں مجھ پر عائد کی ہے۔ دو چار پھڑکتے ہوئے جملے بلاشبہ عارضی طور پر مجلس کو محظوظ کرسکتے ہیں مگر میں خیال کرتا ہوں کہ میری قوم اس وقت فصاحت و بلاغت کی بھوکی نہیں ہے اور نہ اس قسم کی عارضی مسرتوں سے اس کے درد کا عارضی درمان ہوسکتا ہے اس کے لیے ضرورت ہے ایک قائم ودائم جوش کی، نہایت صابرانہ ثباتِ قدم کی، دلیرانہ مگر عاقلانہ طریق عمل کی، اپنے نفس پر پورا قابو پانے کی، غرض ایک پختہ کار، بلند خیال اور ذی ہوش محمدی بننے کی۔

میں ہرگز آپ کے لیکچراروں اور فصیح اللسان تقریر کرنے والوں کی تحقیر نہیں کرتا؛ کیوں کہ میں خوب جانتا ہوں کہ جو چیز سوئے ہوئے دلوں کا دروازہ کھٹکھٹائی ہے اور زمانہ کی ہوا میں اوّل تموج پیدا کرتی ہے وہ یہی دعوتِ حق کا غلغلہ ڈالنے والی زبان ہے۔ ہاں اس قدر گزارش کرتا ہوں کہ تاوقتیکہ متکلم اور مخاطب کے دلوں میں سعیٔ جمیل کا سچا جذبہ، اس کے اخلاق میں شجاعانہ

استقامت وایثار، اس کے جوارح میں قوتِ عمل، اس کے ارادوں میں پختگی اور چستی نہ ہو محض گرم جوش تقریریں کسی ایسے کٹھن اور بلند پایہ مقصد میں آپ کو کامیاب نہیں کرسکتیں۔

وَ کَیْفَ الْوَصُوْلُ اِلٰی سُعَادَ و دُوْنَھَا
قُلَلُ الْجِبَالِ وَ دُوْنَھُنَّ خیُوْف

اے حضرات! آپ خوب جانتے ہیں کہ جس وادیٔ پرخار کو آپ برہنہ پا ہو کر قطع کرنا چاہتے ہیں وہ مشکلات اور تکالیف کا جنگل ہے، قدم قدم پر وہاں صعوبتوں کا سامنا ہے، طرح طرح کی بدنی مالی اور جاہی مکروہات آپ کے دامن استقلال کو اُلجھانا چاہتے ہیں۔ لیکن حُفَّتِ الْجَنَّۃُ بِالْمَکَارِہ کے قائل کو اگر آپ خدا کا سچا رسول مانتے ہیں (اور ضروری مانتے ہیں) تو یقین رکھیے کہ جس صحرائے پرخار میں آپ گامزن ہونے کا ارادہ رکھتے ہیں اس کے راستہ سے جنت کا دروازہ بہت ہی نزدیک ہے۔

کامیابی کا آفتاب ہمیشہ مصائب وآلام کی گھٹاؤں کو پھاڑ کر نکلا ہے اور اعلیٰ تمناؤں کا چہرہ ہی سخت سے سخت صعوبتوں کے جھرمٹ میں دکھائی دیا ہے۔

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّۃَ وَ لَمَّا یَاْتِکُمْ مَّثَلُ الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِکُمْ مَسَّتْھُمُ الْبَاْسَاءُ وَ الضَّرَّاءُ وَ زُلْزِلُوْا حَتّٰی یَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَہٗ مَتٰی نَصْرُ اللّٰہِ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰہِ قَرِیْبٌ O

''کیا تم کو یہ خیال ہے کہ تم جنت میں جا گھسو گے اور تمہیں اس طرح کے حالات پیش نہ آئیں گے جو کہ تم سے پہلے لوگوں کو پیش آئے ان کو سختیاں اور اذیتیں پہنچیں اور وہ اس قدر جھڑ جھڑائے گئے کہ پیغمبر اور اس کے ساتھ کے مؤمنین بول اُٹھے کہ خدا کی مدد کہاں ہے۔ یاد رکھو کہ خدا کی مدد نزدیک تر ہے۔''

دوسری جگہ ارشاد ہے

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّۃَ وَ لَمَّا یَعْلَمِ اللّٰہُ الَّذِیْنَ جٰھَدُوْا مِنْکُمْ وَ یَعْلَمَ الصّٰبِرِیْنَ O

''کیا تم نے یہ خیال کیا ہے کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے بدون اس کے کہ اللہ جانچ کرے تم میں سے مجاہدین اور صابرین کی۔''

ایک اور مقام پر ارشاد ہوا ہے

الٓمّٓ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَھُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ O وَ لَقَدْ فَتَنَّا الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ فَلَیَعْلَمَنَّ اللّٰہُ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَ لَیَعْلَمَنَّ الْکٰذِبِیْنَ O

''کیا لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ محض 'اٰمَنَّا' کہنے پر وہ چھوڑ دیے جائیں گے حالانکہ ہم نے اس سے پہلے لوگوں کی آزمائش کی ہے تو ضرور ہے کہ اللہ پرکھے گا سچے اور جھوٹے لوگوں کو۔''

یہ حق تعالیٰ تعالیٰ جل شانہ کی سنت مستمرہ ہے جس میں کسی قسم کی تبدّل وتغیر کو راہ نہیں۔ کوئی قوم اللہ جل شانہ کی محبت اور اس کے راستہ پر چلنے کی مدعی نہیں ہوئی جس کو امتحان وآزمائش کی کسوٹی پر نہ کسا گیا ہو۔ خدا کے برگزیدہ اور اولوالعزم پیغمبر جن سے زیادہ خدا کا پیار کسی پر نہیں ہوسکتا، وہ بھی مستثنیٰ نہیں رہے بے شک ان کو مظفر ومنصور کیا گیا مگر کب؟ سخت ابتلاء اور زلزال شدید کے بعد۔ وہ خود فرماتے ہیں کہ حَتّٰٓی اِذَا اسْتَیْئَسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْٓا اَنَّھُمْ قَدْ کُذِبُوْا جَآءَ ھُمْ نَصْرُنَا فَنُجِّیَ مَنْ نَّشَآءُ وَلَا یُرَدُّ بَاْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِیْنَ O

پس فرزندانِ توحید! میں چاہتا ہوں کہ آپ انبیاء مرسلین اور ان کے وارثوں کے راستہ پر چلیں اور جو لڑائی اس وقت شیطان کی ذرّیت اور خدائے قدوس کے لشکروں میں ہو رہی ہے اس میں ہمت نہ ہاریں اور یاد رکھیں کہ شیطان کے مضبوط سے مضبوط آہنی قلعہ خداوند قدیر کی امداد کے سامنے تارِ عنکبوت سے بھی زیادہ کمزور ہے۔

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ الطَّاغُوْتِ فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِیَآءَ الشَّیْطٰنِ اِنَّ کَیْدَ الشَّیْطٰنِ کَانَ ضَعِیْفًا O

''ایمان دار تو خدا کے راستے میں لڑتے ہیں اور کافر شیطان کے راستہ میں۔ پس تم شیطان کے مددگاروں سے لڑو بلاشبہ شیطان کی فریب کاری محض لچر وپوچ ہے''

میں نے اس پیرانہ سالی اور علالت ونقاہت کی حالت میں (جس کو آپ خود مشاہدہ فرما رہے ہیں) آپ کی دعوت پر اس لیے لبیک کہا کہ میں اپنی ایک گم شدہ متاع کو یہاں پانے کا اُمیدوار ہوں۔ بہت سے نیک بندے ہیں جن کے چہروں پر نماز کا نور اور ذکر اللہ کی روشنی جھلک رہی ہے لیکن جب ان سے کہا جاتا ہے کہ خدارا اُٹھو اور اس امت مرحومہ کو کفار کے نرغہ سے بچاؤ تو ان کے دلوں پر خوف وہراس مسلط ہوجاتا ہے خدا کا نہیں بلکہ چند ناپاک ہستیوں کا اور ان کے

سامانِ حرب وضرب کا۔

حالانکہ ان کو تو سب سے زیادہ جاننا چاہیے تھا کہ خوف کھانے کے قابل اگر کوئی چیز ہے تو وہ خدا کا غضب اور اس کا قاہرانہ انتقام ہے اور دنیا کی متاع قلیل خدا کی رحمتوں اور اس کے انعامات کے مقابلہ میں کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔ چنانچہ اس قسم کے مضمون کی طرف حق تعالیٰ جل شانہ نے ان آیات میں ارشاد فرمایا ہے

اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ قِیْلَ لَھُمْ کُفُّوْٓا اَیْدِیَکُمْ وَ اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتُوا الزَّکٰوۃَ فَلَمَّا کُتِبَ عَلَیْھِمُ الْقِتَالُ اِذَا فَرِیْقٌ مِّنْھُمْ یَخْشَوْنَ النَّاسَ کَخَشْیَۃِ اللّٰہِ اَوْ اَشَدَّ خَشْیَۃً وَ قَالُوْا رَبَّنَا لِمَ کَتَبْتَ عَلَیْنَا الْقِتَالَ لَوْلَآ اَخَّرْتَنَآ اِلٰٓی اَجَلٍ قَرِیْبٍ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْیَا قَلِیْلٌ وَ الْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰی وَ لَا تُظْلَمُوْنَ فَتِیْلًاO اَیْنَ مَا تَکُوْنُوْا یُدْرِکْکُّمُ الْمَوْتُ وَ لَوْ کُنْتُمْ فِیْ بُرُوْجٍ مُّشَیَّدَۃٍ

''کیا تم نے ان لوگوں کی طرف نظر نہیں کی جن سے کہا گیا تھا اپنے ہاتھ کو روکو اور نماز پڑھتے رہو اور زکوٰۃ دیتے رہو۔ پھر جب اُن پر جہاد فرض کیا گیا تو یکا یک ان میں کا ایک فریق ڈرنے لگا آدمیوں سے خدا کے برابر یا اس سے بھی زیادہ اور کہنے لگا کہ اے ہمارے پروردگار! آپ نے ہم پر جہاد فرض کیا اور کیوں تھوڑی مدت ہم کو مہلت نہ دی۔ کہہ دو کہ دنیا کا فائدہ تھوڑا ہے اور آخرت اس شخص کے لیے بہتر ہے جس نے تقویٰ اختیار کیا اور تم پر ایک تاگے کے برابر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا۔ جہاں کہیں تم ہو موت تم کو آدبائے گی اگرچہ تم نہایت مستحکم قلعوں میں ہو۔''

اے نونہالانِ وطن! جب میں نے دیکھا کہ میرے اس درد کی غمخوار (جس سے میری ہڈیاں پگھلی جارہی ہیں) مدرسوں اور خانقاہوں میں کم اور سکولوں اور کالجوں میں زیادہ ہیں تو میں نے اور میرے چند مخلص احباب نے ایک قدم علی گڑھ کی طرف بڑھایا اور اس طرح ہم نے ہندوستان کے دو تاریخی مقاموں (دیوبند اور علی گڑھ) کا رشتہ جوڑا۔ کچھ بعید نہیں کہ بہت سے نیک نیت بزرگ میرے اس سفر پر نکتہ چینی کریں اور مجھ کو اپنے مرحوم بزرگوں کے مسلک سے منحرف بتائیں لیکن اہل نظر سمجھتے ہیں کہ جس قدر میں بظاہر علی گڑھ کی طرف آیا ہوں اس سے کہیں زیادہ علی گڑھ میری طرف آیا ہے۔

دوش دیدم کہ ملائک درِ مے خانہ زدند | گلِ آدم بسرشتند و بہ پیمانہ زدند
ساکنانِ حرم سرِ عفاف ملکوت | بامن راہ نشین بادۂ مستانہ زدند
شکر ایزد کہ میان من و او صلح افتاد | حوریاں رقص کناں ساغر شکرانہ زدند
جنگ ہفتاد و دو ملت ہمہ را عذر بنہ | چوں نہ دیدند حقیقت رہِ افسانہ زدند

آپ میں سے جو حضرات محقق اور باخبر ہیں وہ جانتے ہوں گے کہ میرے اکابر سلف نے کسی وقت بھی کسی اجنبی زبان کے سیکھنے یا دوسری قوموں کے علوم وفنون حاصل کرنے پر کفر کا فتویٰ نہیں دیا۔ ہاں بے شک کہا گیا کہ انگریزی تعلیم کا آخر اثر یہی ہے جو عموماً دیکھا گیا ہے کہ لوگ نصرانیت کے رنگ میں رنگے جائیں یا ملحدانہ گستاخیوں سے اپنے مذہب اور مذہب والوں کا مذاق اُڑائیں یا حکومت وقتیہ کی پرستش کرنے لگیں تو ایسی تعلیم پانے سے ایک مسلمان کا جاہل رہنا ہی اچھا ہے۔ آپ از راہِ نوازش آپ ہی انصاف کیجیے کہ یہ تعلیم سے روکنا تھا یا اس کے اثر بد سے اور کیا یہ وہی بات نہیں ہے کہ جس کو آج مسٹر گاندھی اس طرح ادا کر رہے ہیں کہ ان کالجوں کی اعلیٰ تعلیم بہت اچھی صاف اور شفاف دودھ کی طرح ہے جس میں تھوڑا سا زہر ملا دیا گیا ہو۔ بارے خدا کا شکر ہے کہ اس نے میری قوم کے نوجوانوں کو توفیق دی کہ وہ اپنے نفع وضرر کا موازنہ کریں اور دودھ میں جو زہر ملا ہوا ہے اس کو کسی بھبکہ کے ذریعے سے علیحدہ کرلیں۔ آج ہم وہی بھبکہ نصب کرنے کے لیے جمع ہوئے ہیں اور آپ نے مجھ سے پہلے سمجھ لیا ہوگا کہ وہ بھبکہ مسلم نیشنل یونیورسٹی ہے۔ مطلق تعلیم کے فضائل بیان کرنے کی ضرورت اب میری قوم کو نہیں ہے کیونکہ زمانہ نے خوب بتادیا ہے کہ تعلیم سے ہی بلند خیالی، تدبر اور ہوش مندی کے پودے نشو ونما پاتے ہیں اور اسی کی روشنی میں آدمی نجاح وفلاح کے راستہ پر چل سکتا ہے۔ ہاں ضرورت اس کی ہے کہ وہ تعلیم مسلمانوں کے ہاتھ میں ہو اور اغیار کے اثر سے بالکل آزاد ہو کیا باعتبار عقائد وخیالات کے اور کیا باعتبار اخلاق واعمال کے اور کیا باعتبار اوضاع واطوار کے ہم غیروں کے اثرات سے پاک ہوں۔

ہماری عظیم الشان قومیت کا اب یہ فیصلہ ہونا چاہیے کہ ہم اپنے کالجوں سے بہت سستے داموں کے غلام نہ پیدا کرتے رہیں بلکہ ہمارے کالج نمونہ ہونے چاہئیں بغداد اور قرطبہ کی یونیورسٹیوں کے اور ان عظیم الشان مدارس کے جنھوں نے یورپ کو اپنا شاگرد بنایا اس سے پیشتر کہ ہم اس کو اپنا استاد بناتے۔

آپ نے سنا ہوگا کہ بغداد میں جب مدرسہ نظامیہ کی بنیاد ایک اسلامی حکومت کے ہاتھوں سے رکھی گئی ہے تو اس دن علماء نے جمع ہوکر علم کا ماتم کیا تھا کہ افسوس آج سے علم حکومت کے عہدے اور منصب حاصل کرنے کے لیے پڑھا جائے گا تو کیا آپ ایک ایسے کالج سے فلاح قومی کی امید رکھتے ہیں جس کی امداد اور نظام میں بڑا زبردست ہاتھ ایک غیر اسلامی حکومت کا ہو۔

ہماری قوم کے سربرآوردہ لیڈروں نے سچ تو یہ ہے کہ اُمت اسلامیہ کی ایک بڑی اہم ضرورت کا احساس کیا ہے بلاشبہ مسلمانوں کی درسگاہوں میں جہاں علوم عصریہ کی اعلیٰ تعلیم دی جاتی ہو اگر طلبہ اپنے اصول وفروع سے بے خبر ہوں اور اپنی قومی محسوسات اور اسلامی فرائض فراموش کردیں اور ان میں اپنی ملت اور اپنی ہم قوموں کی حمیت نہایت ادنیٰ درجہ پر رہ جائے تو یوں سمجھو کہ وہ درس گاہ مسلمانوں کی قوت کو ضعیف بنانے کا ایک آلہ ہے اس لیے اعلان کیا گیا ہے کہ ایک آزاد یونیورسٹی کا افتتاح کیا جائے گا جو گورنمنٹ کی اعانت اور اس کے اثر سے بالکل علیحدہ اور جس کا تمام تر نظامِ عمل اسلامی خصائل اور قومی محسوسات پر مبنی ہو۔

مجھے لیڈروں سے زیادہ ان نونہالانِ وطن کی ہمت بلند پر آفرین اور شاباش کہنا چاہیے جنھوں نے اس نیک مقصد کی انجام دہی کے لیے اپنی ہزاروں امیدوں پر پانی پھیر دیا اور باوجود ہر قسم کی طمع اور خوف کے وموالاتِ نصاریٰ کے ترک پر مضبوطی اور استقلال کے ساتھ قائم رہے اور اپنی عزیز زندگیوں کو ملت اور قوم کے نام پر وقف کردیا۔

شاید ترکِ موالات کے ذکر پر اس مسئلہ کی تحقیق کی طرف متوجہ ہوجائیں اور ان عامۃ الورود سوالات اور شبہات کے دلدل میں پھنسنے لگیں جو اس بہت ہی اہم واعظم مسئلہ کے متعلق آج کل عموماً زبان زد ہیں.....۔

اب میری یہ التجا ہے کہ آپ سب حضرات بارگاہِ ربّ العزت میں نہایت صدقِ دل سے دعا کریں کہ وہ ہماری قوم کو رسوا نہ کرے اور ہم کو کافروں کا تختۂ مشق نہ بنائے اور ہمارے اچھے کاموں میں ہماری مدد فرمائیں۔

وَاٰخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین و صلی اللّٰہ علیٰ خیر خلقه محمد وآله واصحابه اجمعین۔

(خطباتِ شیخ الہند۔ مرتب حافظ محمد حنیف آسی)

تحریک خلافت پاکستان کے زیر اہتمام یکم جولائی 2012ء کو منعقدہ

''احیائے نظام خلافت'' سیمینار

کی رُوداد

رپورٹ: وسیم احمد

تحریک خلافت پاکستان کے زیر اہتمام یکم جولائی 2012ء کو قرآن آڈیٹوریم نیو گارڈن ٹاؤن لاہور میں ''احیائے نظام خلافت'' سیمینار کا انعقاد کیا گیا، جس کی صدارت حافظ عاکف سعید (امیر تنظیم اسلامی وصدر تحریک خلافت) نے فرمائی۔ دیگر مقررین میں اوریا مقبول جان اور ناظم اعلیٰ تحریک خلافت انجینئر مختار فاروقی شامل تھے۔ پروگرام کا آغاز تلاوتِ قرآن پاک سے ہوا۔ جس کی سعادت قاری مقبول احمد نے حاصل کی۔ جناب جعفر طیار نے نعت رسول مقبول ﷺ پیش کی، جبکہ سید کلیم شاہ نے ترنم سے کلام اقبال سنایا۔

انجینئر مختار فاروقی نے شرکاء سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ میرے خطاب کا عنوان اس سیمینار کے موضوع احیائے نظام خلافت کا تعارف ہے۔ میں اسی مناسبت سے چند گزارشات آپ کے گوش گزار کرنا چاہوں گا۔ اُنھوں نے حدیث رسول ﷺ کے حوالے سے کہا کہ ہر بچہ جو اس دنیا میں آتا ہے وہ فطرتِ اسلام پر پیدا ہوتا ہے، یہ اس کے والدین اور اِردگرد کا ماحول ہوتا ہے جو اسے یہودی، نصرانی، پارسی یا ہندو بنا دیتا ہے۔ بحیثیت مسلمان ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اس کائنات کا خالق اور مالک اللہ ہے۔ اس نے ایک خاص مقصد کے تحت اس کائنات کو پیدا کیا اور انسان کو اشرف المخلوقات بنایا۔ اُس نے ہماری راہنمائی کے لیے پیغمبر اور رسول بھیجے اور کتابیں اُتاریں۔ ہماری موجودہ زندگی عارضی ہے۔ مرنے کے بعد ہماری اَبدی زندگی کا آغاز ہوگا۔ اگر ہم نے عارضی زندگی میں اچھے اعمال کیے تو جنت میں جائیں گے اور اگر اللہ اور اس کے رسول ﷺ

کی نافرمانی پر مبنی زندگی گزاری تو نارِ جہنم کے حقدار ہوں گے۔ اس وقت دنیا کی آبادی سات سو کروڑ سے متجاوز ہے۔ ہر پانچواں انسان مسلمان ہے۔ اس اعتبار سے 80 فی صد لوگ تو ویسے ہی کافر ہیں۔ بقیہ 20 فی صد مسلمانوں میں سے پاکستانی مسلمانوں کے بارے میں پوری دنیا میں یہ تاثر پایا جاتا ہے کہ یہاں سب سے گاڑھا اسلام موجود ہے۔ لیکن ہم پاکستان والے جانتے ہیں کہ یہاں اسلام کا کیا حال ہے۔ لہٰذا باقی دنیا کے حوالے سے آپ قیاس کرلیں کہ وہاں اسلام کس حال میں ہوگا۔ بدقسمتی سے مسلمانوں کی اکثریت دین کی اصل تعلیمات سے بہت دور اور لبرل ازم کا شکار ہوچکی ہے۔ آج کی دنیا میں 90 تا 95 فیصد افراد کی عملی زندگی میں کوئی اقدار نہیں پائی جاتیں۔ اُنھوں نے کہا کہ آج سے ڈیڑھ دوسو سال پہلے نیکی کی بات پھیلانا خاصا دشوار تھا۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے 250ھ میں صحیح بخاری مرتب کی جسے ہندوستان پہنچنے تک 750 سال لگ گئے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ نے 1000ھ کے بعد اسے پڑھانا شروع کیا۔ غرضیکہ پرانے زمانے میں دینی تعلیمات کو پھیلانا خاصا دشوار کام تھا۔ آج کل میڈیا کا دور ہے۔ یہاں کہی گئیں باتیں چند منٹوں میں پوری دنیا میں دیکھی اور سنی جاسکتی ہیں۔ مختار فاروقی صاحب نے نمرود اور فرعون کے ادوار کی مثالیں دے کر حاضرین کو بتایا کہ ان کے ہاں کوئی اخلاقی ضابطہ، اعلیٰ اخلاقی تعلیمات اور عوام کی بھلائی کا کوئی منصوبہ سرے سے موجود نہیں تھا۔ ان کے اقتدار اور اختیار کا واحد مقصد ایلیٹ کلاس کے مفادات کا تحفظ تھا۔ بے حیائی اور ظلم وزیادتی میں ان کا کوئی ثانی نہ تھا۔ اس کے برعکس دورِ خلافت راشدہ کے تو کیا کہنے، اس کے بعد آنے والے حکمران اگرچہ اُس معیار سے کم تر تھے، لیکن یورپی، چینی اور ہندوستانی حکمرانوں سے کہیں اعلیٰ اور اونچے اخلاق اور کردار کے مالک تھے۔ آج دنیا جس ظلم کی چکی میں پس رہی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ آج دنیا پر وہ طبقہ حکمران ہے جس کے پاس اخلاق اور کردار نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔ اس وقت دنیا میں مغرب کی بالادستی قائم ہے، جس کی بنیاد ظلم اور جبر پر مبنی ہے۔ ہمیں دنیا میں جاری اس ظلم اور جبر کے خاتمے کے لیے اپنا تن من دھن لگانا ہوگا، اور ہر مسلمان کو احیائے نظام خلافت کے لیے کھڑے ہونا ہوگا۔ یہ نظام عدل و انصاف کا منبع، آسمانی ہدایت اور اعلیٰ اقدار پر مبنی ہے جو ہر انسان کے دل کی آواز ہے۔ آج ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم مغرب کی بے اُصولیوں، مظالم اور لبرل ازم کی خامیوں سے اپنی نوجوان نسل کو آگاہ کریں اور انہیں نظام خلافت کی برکات وثمرات سمجھائیں اور

ان کے دلوں میں اُتاریں۔ایک منظّم جدوجہد کے ذریعے سب سے پہلے کسی ایک ملک میں نظام خلافت قائم کریں، پھراس چراغ سے چراغ جلاتے ہوئے دوسرے سے تیسرے ملک میں اسلام کا عادلانہ نظام نافذ کریں۔اسی میں ہماری بھلائی ہے۔

معروف دانشوراور کالم نگار اوریا مقبول جان نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ احیائے خلافت کے موضوع پر گفتگو کرنے کی جتنی آج ضرورت ہے دس پندرہ سال پہلے نہ تھی۔اگر ہم نے بیس پچیس سال پہلے ان موضوعات پر گفتگو کی ہوتی تو قوم بہت پہلے بیدار ہو جاتی اور ہمیں اس وقت اس طرح کے سیمینار منعقد کرنے کی ضرورت پیش نہ آتی۔ بدقسمتی سے امت مسلمہ کے علماء گزشتہ چار سو برس سے فقہی مسائل میں بٹے ہوئے ہیں۔ وہ مسلمانوں کو صرف فقہی اعتبار سے مسائل کا حل بتاتے ہیں۔ ہماری قوم اس وقت پانچا نیچا ہے یا اوپر، ایک نشست میں دی گئی تین طلاقوں سے طلاق واقع ہو جاتی ہے یا نہیں اور بنک سے ملنے والا ''منافع'' سود ہے یا نہیں جیسے مسائل میں گھری ہوئی ہے۔کوئی انھیں یہ بتانے کے لیے تیار نہیں کہ تمہیں پیسے بینک میں رکھنے کی ضرورت کیوں پیش آتی ہے۔تمہارے گھر کے باہر ذرا سی گندگی کا ڈھیر پڑا ہو تو اس کے اُٹھوانے کے لیے دس دفعہ متعلقہ اداروں کو فون کرتے ہو لیکن تمہارے سامنے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے خلاف جنگ کرنے کے لیے بینک کی صورت میں اتنی بڑی دوکان کھلی ہوئی ہے۔مگر تم اس سسٹم کے خلاف کھڑے نہیں ہوتے۔تمہیں اپنے گھر کے سامنے پڑے ہوئے کوڑا کرکٹ کی بُو تو آتی ہے، لیکن خالق کائنات کے نظام کے مقابلے میں بغاوت پر مبنی شیطانی گلے سڑے نظام کی بدبو نہیں آتی۔انہوں نے کہا کہ اس وقت ہمیں فقہ سے زیادہ فکر کی ضرورت ہے۔اُنھوں نے کہا کہ نومنتخب مصری صدر محمد مُرسی کا فنڈامنٹلسٹ ہونے سے انکار کرنا ہی عالم کفر کی فتح ہے۔آج محمد مُرسی، غنوشی اور ہمارے علمائے دین بنیاد پرست کہلوانے سے کتراتے ہیں جبکہ میرا اللہ یہ فرماتا ہے کہ تم کافروں پر شدت پسند ہو جاؤ۔ہم عجیب وغریب مغالطے میں مبتلا ہیں۔ ہمارا خالق تو ہمیں شدت پسند بننے کی تلقین فرماتا ہے اور ہم یہ کہتے ہیں کہ ہم انتہا پسند نہیں ہیں۔ہمیں دورِ حاضر میں لبرل نہیں، حقیقی اسلام کی ضرورت ہے۔انھوں نے کہا کہ عالم کفر افراط وتفریط کے گورکھ دھندے کے ذریعے دنیا کو کنٹرول کر رہا ہے۔مسلمانوں کو عصر حاضر کے علوم کا ادراک کر کے سود کا متبادل تلاش کرنا ہوگا۔ بدقسمتی سے ہماری معیشت کا تمام تر دارومدار سودی معیشت پر ہے۔سودی معیشت

کو اپنا کر ہم دنیا میں ترقی نہیں کر سکتے۔ امریکہ کے لیے تیل اور اسامہ بن لادن سے بڑا خطرہ درہم اور دینار ہے، کیونکہ مغربی مفکرین کا خیال ہے کہ مسلمانوں نے اگر اپنی بچت درہم اور دینار میں کرنا شروع کر دی تو ہمارا نظام معیشت خطرے میں پڑ جائے گا۔ اُنھوں نے کہا کہ آج کل جنگ اسلحے سے نہیں سود کے پیسے اور میڈیا سے لڑی جا رہی ہے۔ اس وقت دنیا بھر میں اسلامی بینکنگ کے 85 بڑے ماہرین میں سے 70 گورے ہیں۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہ اسلامی بینکنگ کو کدھر لے کر جائیں گے۔ اُنھوں نے ارشادِ ربانی ''تم ہی برتر ہو گے اگر تم مومن ہوئے'' کے حوالے سے کہا کہ آج اگر ہم دنیا میں برتر نہیں ہیں تو ہمیں اپنے گریبانوں میں جھانکنا چاہیے۔ اس لیے کہ ہم اپنے مومن ہونے پر تو شک کر سکتے ہیں مگر کلام اللہ پر شک نہیں کیا جا سکتا۔ ہمیں اس وقت اس بابرکت نظام خلافت کے نفاذ کے لیے جدوجہد کرنی چاہیے جس کا موجودہ جمہوریت اور ماڈرن سیکولرازم سے دور دور کا بھی کوئی تعلق نہیں۔ جان لیجیے کہ سسٹم کبھی بھی اکثریت نہیں بدلتی۔ آپ جمہوریت کی مثال لے لیں کہ یہ کیسے نافذ ہوئی۔ چند لارڈز نے ووٹنگ سسٹم متعارف کروایا۔ 1920ء میں اُنھوں نے عورتوں کو ووٹ کا حق دیا۔ 1973ء میں سوئٹزرلینڈ میں خواتین کو ووٹ کا حق ملا۔ انہوں نے کہا کہ ہمارا سسٹم عدل وانصاف پر مبنی ہے اور اللہ تعالیٰ ہمیں اس نظام کو نافذ کرنے کا حکم دیتا ہے۔ ہمارے نبی ﷺ کا مقصد بعثت ہی یہ تھا کہ دین کو غالب فرمائیں۔ ﴿لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ﴾ [التوبۃ:33] آپؐ کے امتی کی حیثیت سے اب یہ ہماری ذمہ داری ہے۔ ہم نے اسے تحریک، غلبے اور قوت فیصلہ سے نافذ کرنا ہے۔ ہمارے پاس اس کے سوا کوئی اور راستہ نہیں۔

سیمینار کے سٹیج سیکرٹری اور سیکرٹری تحریک خلافت جناب عبدالرزاق صاحب نے تحریک خلافت پاکستان کے اغراض ومقاصد بیان کرتے ہوئے حاضرین کو بتایا کہ نبی کریم ﷺ کی واضح پیشینگوئیوں کے مطابق پورے کرۂ ارض پر نظام خلافت کے قیام کی راہ ہموار کرنا، نظام خلافت کی برکات سے پاکستان اور تمام دنیا کے مسلم وغیر مسلم افراد کو متعارف کرانا، رائج الوقت غیر فطری، ظالمانہ اور استحصالی نظاموں کی گمراہیوں اور خرابیوں سے لوگوں کو آگاہ کرنا، مسلمانانِ عالم میں دین کے تقاضوں کا شعور بیدار کرنا، ابتدائی مرحلے کے طور پر پاکستان کے عوام کو ایسا پلیٹ فارم مہیا کرنا جہاں سے مذہبی فرقہ واریت اور انتخابی سیاست سے بالاتر ہو کر نظام خلافت کے قیام

کے لیے منظّم جدوجہد کی ضرورت کا احساس پیدا کیا جا سکے، جیسے اعلیٰ ترین مقاصد تحریک خلافت پاکستان کے پیش نظر ہیں۔

پروگرام کے اختتام سے قبل صدر تحریک خلافت و امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید نے خطبہ صدارت ارشاد فرمایا۔ انہوں نے کہا کہ 3 مارچ 1924ء کو ادارہ خلافت کی تنسیخ کے بعد ہم اس نظام کو بھول ہی گئے جو نبی اکرم ﷺ ہمیں دے کر تشریف لے گئے تھے۔ یہ نظام دور نبوی ﷺ اور دور خلافت راشدہ سے لے کر 3 مارچ 1924ء تک کسی نہ کسی شکل میں قائم رہا۔ بعض لوگوں کا یہ تصور کہ دور نبوت کے 30 سال بعد یہ نظام ختم ہو گیا تھا، بہت بڑی غلط فہمی اور جہالت پر مبنی ہے۔ ہاں یہ کہنا چاہیے کہ آئیڈیل صورت میں یہ نظام دورِ خلافت راشدہ میں ہی تھا، اس کے بعد اس میں کچھ نہ کچھ کمی اور نقائص کئی پہلوؤں سے آتے رہے ہیں۔ لیکن وہ عظیم عمارت مکمل طور پر زمین بوس نہیں ہوئی۔ ہمیں سابق امریکی صدر جارج بش کا شکر گزار ہونا چاہیے جس نے یہ کہہ کر کہ القاعدہ مراکش سے لے کر انڈونیشیا فار ایسٹ تک خلافت کا نظام قائم کرنا چاہتی ہے، مسلمانوں کو بھولا ہوا اصل ورثہ یعنی خلافت یاد کروا دیا۔ انہوں نے کہا کہ خلافت کا لفظ امت کے لیے وحدت کی ایک علامت ہے۔ یہ نظام نبی کریم ﷺ کی رحمت کا سب سے بڑا مظہر ہے۔ ملک میں جاری ظلم و بددیانتی سمیت تمام مسائل کا حل قیام نظامِ خلافت میں ہے۔ اُنھوں نے کہا کہ افغانستان میں جاری نام نہاد دہشت گردی کے خلاف امریکی جنگ نظام خلافت کا راستہ روکنے کے لیے ہے۔ یہود اور ان کے سرپرستوں نے خلافت کے تصور کو مسخ کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے۔ یہ ہماری بدنصیبی ہے کہ ہم نے حضور ﷺ کی رحمۃ للعالمینی پر مبنی نظام سے خود کو محروم کر رکھا ہے۔ ہمیں یہ احساس ہی نہیں ہے کہ ہم اس وقت کتنا بوسیدہ اور گلا سڑا نظام لے کر چل رہے ہیں۔ ہمارے ہاں آج بھی انگریز کے بنائے ہوئے جوڈیشل پروسیجر لازمن وعن رائج ہیں۔ اسلام کے نظام عدل اجتماعی اور نکتہ توحید کی عملی تفسیر ہے۔ اُنھوں نے کہا کہ نبی اکرم ﷺ کی پیشین گوئیوں پر مبنی احادیث اور قرآنی آیات کے مطابق قیامت سے قبل کل روئے ارض پر نظامِ خلافت قائم ہو کر رہے گا۔ ہمیں چاہیے کہ سب سے پہلے اللہ کے دین کو خود اپنی ذات اور اپنے گھروں میں نافذ کریں اور پھر ملک میں نظامِ خلافت کے قیام کے لیے حزب اللہ بن کر رب کی دھرتی پر رب کا نظام قائم کریں۔ نمازِ ظہر سے کچھ وقت قبل اجتماعی دعا پر یہ فکر انگیز سیمینار اختتام پذیر ہوا۔ (بشکریہ ہفت روزہ ندائے خلافت لاہور۔ شمارہ 29۔ جولائی 2012ء)

تبصرہ وتعارفِ کتب

طریق القرآن

ترجمہ ومختصر تشریح سورۃ الفاتحہ وسورۃ البقرۃ

مصنف: محمد منیر احمد

ناشر: صفہ پبلشرز لاہور

زیر تبصرہ کتاب ''طریق القرآن'' بہاولنگر کے تنظیم اسلامی کے اہم رکن جناب چوہدری منیر احمد صاحب (بی اے، ایل ایل بی) کے ان دروس کا مجموعہ ہے جو وہ کئی سالوں سے ''25 روزہ فہم قرآن وسنت کورسز'' میں دیتے رہے ہیں۔ اس کتاب میں قرآن مجید کی پہلی دو سورتوں کا ترجمہ اور مختصر و جامع تشریح کو قلمبند کیا گیا ہے۔ یہ کتاب علومِ قرآن کے شائقین کے لئے ایک نعمت سے کم نہیں۔

ہمارے ہاں بعض لوگ سورۃ الفاتحہ اور سورۃ البقرہ کو وظیفہ کے طور پر تو پڑھتے اور اسے مشکلات کا حل بھی سمجھتے ہیں۔ لیکن افسوس کہ وہ یہ نہیں جانتے ہیں اور نہ جاننے کی کوشش کرتے ہیں کہ ان سورتوں میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو کیا احکام ارشاد فرماتا ہے۔ اگر یہ حضرات وخواتین اس کتاب کا شعوری وفکری انداز میں مطالعہ فرمائیں تو ہماری دنیا وآخرت کی بے شمار پریشانیاں (جو ہمارے اعمال کا ہی نتیجہ ہیں) فہم قرآن سے حل ہوسکتی ہیں۔ طریق القرآن میں یہی انداز اپنایا گیا ہے کہ قرآن حکیم کی عظمت کے ساتھ ساتھ قرآنی اخلاق وسیرت طیبہ کو بھی سامنے رکھا گیا۔ ضرورت کے مطابق نقشوں سے سمجھایا گیا ہے۔ حالات حاضرہ کا تجزیہ بھی ہے۔ دعوتی اسلوب نمایاں ہے، سیرت طیبہ سے رہنمائی دی گئی ہے، پیچیدہ مسائل اور فکری موشگافیوں سے پاک یہ لاجواب تحفہ ہے۔ رمضان المبارک کی ان پرکیف ساعتوں میں 'طریق القرآن' کا مطالعہ مفید ہے۔ قیمت -/250 روپے، معیاری کاغذ پر اچھی کاوش ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مسلمانوں میں قرآن مجید کا نور عام فرمادے۔ آمین (تبصرہ.....انور سعید)

ان شاءاللہ

ستمبر 2012ء

کیا آپ جانتے ہیں؟

☆ ذوالقرنین کون تھا؟

☆ یاجوج ماجوج کون ہیں؟

☆ ذوالقرنین کی تعمیر کردہ سد ذوالقرنین کب تعمیر ہوئی؟

☆ سد ذوالقرنین کہاں واقع ہے؟

☆ کون سی قوم یاجوج ماجوج سے روابط رکھتی رہی ہے؟

یہ اور اس طرح کے دیگر چبھتے سوالات کے جوابات کے ساتھ

حکمت بالغہ کی ایک اور خصوصی اشاعت

یاجوج ماجوج نمبر

شائع ہوگی

اہل علم اور اہل قلم سے درخواست ہے کہ اپنی قیمتی

تحریریں اور مشورے جلد از جلد ارسال فرمادیں

(ادارہ)

نمازِ جمعہ کی اہمیت پر حضرت محمد ﷺ کا ایک خطبہ

عن جابر بن عبد اللہؓ قال خطبنا رسول اللہ ﷺ، فقال: يَا اَيُّهَا النَّاسُ تُوبُوا اِلَى اللّٰهِ قَبْلَ اَنْ تَمُوتُوا وَ بَادِرُوا بِالْاَعْمَالِ الصَّالِحَةِ قَبْلَ اَنْ تَشْغُلُوا وَ صِلُوا الَّذِىْ بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَ رَبِّكُمْ بِكَثْرَةِ ذِكْرِكُمْ لَهٗ وَ كَثْرَةِ الصَّدَقَةِ فِى السِّرِّ وَ الْعَلَانِيَةِ تُرْزَقُوا وَ تُنْصَرُوا و تُجْبَرُوا۔ وَ اعْلَمُوا اَنَّ اللّٰهَ قَدِ افْتَرَضَ عَلَيْكُمُ الْجُمُعَةَ فِى مَقَامِىْ هٰذَا فِىْ يَوْمِىْ هٰذَا فِىْ شَهْرِىْ هٰذَا مِنْ عَامِىْ هٰذا اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ فَمَنْ تَرَكَهَا فِىْ حَيَاتِىْ اَوْ بَعْدِىْ وَ لَهٗ اِمَامٌ عَادِلٌ اَوْ جَائِرٌ اسْتِخْفَافًا بِهَا اَوْ جُحُوْدًا لَهَا فَلَا جَمَعَ اللّٰهُ لَهٗ شَمْلَهٗ وَ لَابَارَكَ لَهٗ فِىْ اَمْرِهٖ اَلَا وَلَاصَلَاةَ لَهٗ وَ لَا زَكَاةَ لَهٗ وَ لَاحَجَّ لَهٗ وَلَا صَوْمَ لَهٗ وَ لَابِرَّ لَهٗ حَتّٰى يَتُوْبَ، فَمَنْ تَابَ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِ اَلَا لَاتَؤُمَّنَّ امْرَأَةٌ رَجُلًا وَلَا يَؤُمُّ اَعْرَابِىٌّ مُهَاجِرًا، اَلَا وَ لَايَؤُمُّ فَاجِرٌ مُؤْمِنًا اِلَّا اَنْ يَّقْهَرَهٗ بِسُلْطَانٍ يَخَافُ سَيْفَهٗ وَ سَوْطَهٗ

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: اے لوگو! اپنے ربّ کی طرف لوٹ آ ؤاس سے پہلے کہ تمہیں موت آ جائے اور نیک اعمال میں جلدی کرو اس سے پہلے کہ تم مشغول ہو جاؤ۔ اور اپنے رب کے ساتھ (تعلق) جوڑو اس کا زیادہ ذکر کر کے اور پوشیدہ اور علانیہ صدقہ کر کے، تمہیں رزق دیا جائے، تمہاری مدد کی جائے اور تمہارے نقصان کی تلافی کی جائے۔ اور جان لو کہ! اللہ تعالیٰ نے تم پر جمعہ فرض کر دیا ہے اس مقام میں، اس دن میں اور اس مہینے میں، اس سال سے قیامت کے دن تک۔ لہٰذا جس نے جمعہ ترک کر دیا میری زندگی میں یا میرے بعد در آنحالیکہ اس کا منصف یا ظالم حاکم موجود تھا اس کو ہلکا جانتے ہوئے یا اس کا انکار کرتے ہوئے، اللہ اس کے متفرق کاموں کو جمع نہ کرے اور اس کے کام میں برکت نہ دے۔ سن لو! نہ اس کی نماز ہے نہ اس کی زکاۃ ہے نہ اس کا حج ہے نہ اس کا روزہ ہے اور نہ اس کی کوئی نیکی ہے یہاں تک وہ توبہ کر لے، اور جو توبہ کرے اللہ تعالیٰ اس توبہ قبول کرتا ہے۔ سن لو! کوئی عورت کسی مرد کی امامت نہ کرے، کوئی دیہاتی کسی مہاجر کی امامت نہ کرے۔ اور سن لو! کوئی بدکردار کسی مؤمن کی امامت نہ کرے مگر یہ کہ کوئی حاکم اس پر سختی کرے جس کی تلوار اور کوڑے کا اسے ڈر ہو۔ (سنن ابن ماجہ)

انجمن خدام القرآن رجسٹرڈ جھنگ

کے قیام کا مقصد

منبع ایمان.....اور.....سرچشمہ یقین

قرآنِ حکیم کے علم وحکمت کی

وسیع پیمانے پر.....اور.....اعلیٰ علمی سطح

پر تشہیر واشاعت ہے

تاکہ اُمتِ مسلمہ کے فہیم عناصر میں

تجدیدِ ایمان کی ایک عمومی تحریک برپا ہو جائے

اور شاید اس طرح رسالتِ محمدی ﷺ کی منطقی انتہاء یعنی

اسلام کی نشأۃِ ثانیہ.....اور.....غلبۂ دینِ حق کے دورِ ثانی

کی راہ ہموار ہو سکے

و ما النصر الاّ من عند اللّٰہ (القرآن)